داستان پر مختصر نوٹ لکھئے

داستان کہانی کو کہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں داستان گوئی کا رواج تھا اور ان داستانوں میں زیادہ تر خیالی قصّے ہوتے تھے اور ان قصہّ کہانیوں کا حقیقی زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ اردو میں داستان گوئی کی روایت فارسی سے آئی۔ دنیا کے ہر ادب میں داستان گوئی کی روایت ملتی ہے۔ اور داستان گوئی اولین ادبی کوششوں میں سے ہے۔ انسان جو چیزیں روزمرہ کی زندگی میں حاصل نہیں کر سکا۔ وہ اُن کو خوابوں اور داستانوں میں پانے کی جستجو کرنے لگا۔ اردو ادب میں داستان گوئی کی ابتداء شروع سے ہی نظر آتی ہے۔ دکنی ادب میں مُلا وجہی کی مشہور داستان ''سبرس'' اور گجرات میں ''کربل کتھا'' نام کی داستان ملتی ہے۔ تحسین اٹاوی کی داستان ''نوطرز مَرصّع'' جس پر امیر خسرو کی مشہور داستان ''قصہ چہار درویش'' کی بنیاد ہے۔ اور انشااللہ خان کی داستان ''رانی کیتکی کی کہانی'' کافی اہمیت رکھتی ہے۔ ستارہویں اور اٹھارہویں صدی میں ہندوستان میں داستان گوئی اپنے شباب پر نظر آتی ہے۔ میر امّن کی داستان ''باغ و بہار'' رجب علی بیگ کا ''فسانہ عجائب'' رتن ناتھ سبر شار کا ''فسانہ آزاد'' اور ''داستان امیر حمزہ'' ان ہی ادوار کی پیداوار ہے۔ داستانوں کے کردار رومانی ہوتے ہیں۔ ان میں جن، دیو، پری اور بھوت پریت کا خاصا عمل دخل نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی منتروں، دعاؤں اور تعاویزوں سے بھی کافی کام لیا جاتا ہے۔ ان داستانوں میں ہم فقیروں، جوگیوں، درویشوں، جادوگاروں اور سیانوں کو دیکھتے ہیں۔ داستان ذہنی عیاشی کے لئے جاتے رہے ہیں اور ان کا مقصد صرف یہ رہا ہے کی پڑھنے والے اردگرد کی دنیا سے کٹ کر دور دراز کے خیالی مُلکوں اور سرزمینوں میں پہنچ جائیں اور اپنے ذہن کے کواڑ کھول دے اور زیادہ سے زیادہ ذہنی حِظہ اور سکون حاصل کر سکیں۔

سوال: میر امّن دہلوی کے حالات زندگی اور ادنی کارنامے کے بارے میں مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب: میر امّن دہلی کے رہنے والے تھے۔ اُن کا اصلی نام میر امان اللہ تھا۔ اور تخلص میر امّن تھا۔ وہ کب پیدا ہوئے اس کا علم نہیں ہو سکا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر میں تعلیم پائی اور شاعری کرنے لگے۔ اس زمانے میں تخلص لطفؔ تھا۔ گذر بسر کے لئے ماں باپ کی دولت اور جاگیریں تھیں۔ ان کے ابا و اجداد ہمایوں بادشاہ کے وقت مغلیہ سلطنت سے وابستہ تھے۔ شاہی دربار سے اُن کو جاگیریں بھی عطا ہوئی، لیکن احمد شاہ دورانی کے حملے کے وقت میر امّن کا گھر بھی لوٹا گیا۔ خاندانی جاگیر ضبط کر لی گئی اور ان کو مجبوراً وطن چھوڑنا پڑا۔ کئی برس تک عظیم آباد میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے کلکتہ اور وہاں دو سال تک میر محمد کاظم خان کے اتالیق رہے۔ پہنچے اور وہاں دو سال تک میر محمد کاظم خان کے اتالیق رہے۔ اسی زمانے میں میر بہادر علی حُسینی نے ان کا تعارف ڈاکٹر گِل کرسٹ سے کرایا۔ جنہوں نے میر امّن کو فورٹ ولیم کالج میں جگہ دی۔ اور ۱۸۰۱ء میں قصہ چہار درویش کو سلیس اردو نثر میں لکھنے کے لئے مامور کیا۔ جو کہ ایک مشہور فارسی قصّہ ہے۔ اردو میں میر امّن نے اس کا نام ''باغ و بہار'' رکھا۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میر امّن کو زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ روانی اور سلاست کے علاوہ محاوروں کا استعمال

اور زبان کی لوچ نہایت خوبی کے ساتھ نبھاتے ہیں۔اس کتاب کی خوبی کے لئے یہی دلیل کیا کم ہے کہ دوسو برس سے زیادہ بیت گئے مگر اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔اگر میر امّن کو اپنے اس کارنامے پر فخر تھا تو بے جا نہ تھا۔میر امّن اپنے عہد کے سب سے ممتاز مصنف ہیں۔میر امّن کا طرز تحریر اس قدر سادہ،شیریں اور بامحاورہ ہے کہ سر سید احمد خان ان کو اردو نثر میں وہی مقام دیتے ہیں جو میر تقی میرؔ کو نظم میں ہے۔

فوٹ ولیم کالج پر مختصر نوٹ

مغلیہ سلطنت کے زوال اور انگریزوں کی آمد کا نہ صرف ہندوستان کی سیاست بلکہ ادب پر بھی گہرا اثر پڑا۔مغربی ادب اور تہذیب کا اثر تیزی سے ہندوستان پر پڑ رہا تھا۔دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔کئی صوبوں میں اس کی حکومت قائم ہوئی۔اس نے محسوس کیا کی انگریز حکام کو اردو زُبان سے واقف ہونا چاہئے تا کہ وہ ہندوستانیوں سے حکومت کا کام لے سکیں اور اردو زبان کے توسُل سے زیادہ سے زیادہ ان کے قریب ہو سکیں۔اس کو حاصل کرنے کے لئے اُردو زبان میں آسان کتابوں کی سخت ضرورت تھی۔ تا کہ انگریز حکام اردو سیکھ سکیں۔چنانچہ ۱۸۰۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔اس کا مقصد اردو کو زیادہ سے زیادہ آسان بنا کر کمپنی کے ملازمین کو اُردو سکھانا تھا اس لئے مُلک کے مشہور مصنفیں کو اس کالج میں مقرر کیا۔اس کالج کے پرنسپل جان گل کرائسٹ تھے۔چونکہ وہ اُردو زبان سے بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں نے اس ادارے کے منتظم اعلیٰ کی حثیت سے اُردو کی قابل قدر خدمات انجام دیں۔میر امن دہلوی کی مشہور کتاب ''باغ و بہار'' جو ایک فارسی داستان قصّہ چہار درویش کا ترجمہ ہے یہیں تیار ہوئی۔اس کالج کی کوششوں سے اردو میں بہت جلد یہ صلاحتیں پیدا ہو گیئں کہ وہ فارسی کی جگہ سرکاری زبان کا درجہ اختیار کر لے چنانچہ ۱۸۳۵ء میں فارسی زبان کے بجائے اُردو سرکاری زبان قرار پائی۔

باغ و بہار پر ایک مختصر نوٹ

میر امّن دہلوی کی یہ کتاب اُردو ادب کا مایہ ناز سرمایہ ہے۔اس کتاب کے قصے کو امّن نے کہاں سے لیا ہے۔اس سلسلے میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس داستان کو میر امن نے امیر خسرو کے ''قصہ چار درویش'' سے ماخوذ کیا ہے۔کچھ محققیں کا خیال ہے کہ عطا حسین تحسین کی تصنیف ''نوطرز مرصع'' سے لیا گیا ہے جو قصہ چہار درویش کا اُردو ترجمہ ہے۔میر امّن نے فورٹ ولیم کالج میں بہت سی کہانیوں اور بہت سی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام کیا ہے۔اُنہیں میں سے ایک باغ و بہار بھی ہے۔ اس کتاب کا سنہ تصنیف ۱۸۰۲ء ہے۔میر امّن کا یہ ادبی شاہکار اپنی گونا گون خوبیوں کے باعث زندہ جاوید ہے۔تقریباً دوسو سال سے زیادہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔اس کتاب کی زبان دہلی کی ٹکسالی زبان ہے۔جس کی سلاست، روانی، محاورے، استعارات اور لطافت زبان قابل تعریف ہے۔آج بھی اردو دان طبقہ اس کتاب پر فخر کرتا ہے۔اور اس کو اُردو ادب کا سرمایہ عظیم سمجھتا ہے۔

(۲) اِن فقروں کے معنی پر غور کریں:۔

فقرے	معنی	فقرے	معنی
بہ خوبی تربیت ہوا	اچھی طرح سے تربیت حاصل کی	حادثہ رُو بکار ہوا	حادثہ پیش آیا
سلطنت سے کنارہ پکڑنا	حکومت سے الگ ہونا	ارادہ کوچ کا کیا	آخری وقت چلنے کا آ گیا
تم اس کی نیابت کیجیو	تم اس کی جگہ پر کام کرنا	بزرگی کو کام فرمایو	عقل و دانائی سے کام لینا
جان بحق تسلیم ہوئے	انہوں نے انتقال فرمایا	محنت کچھ نیگ نہ لگی	محنت کسی کام نہ آئی
میں سلطنت سے گزرا	مجھے حکومت کی چاہت نہیں	کتخدائی بھی ہوگی	شادی بیاہ بھی ہوگا

سوال نمبر۱: فرش پر سے پتھر ہٹانے کے بعد شہزادے نے زمین کے اندر کیا دیکھا؟

جواب: فرش پر سے پتھر ہٹانے کے بعد شہزادے نے زمین کے اندر خوبصورت عمارت اور چار مکان دیکھے۔ اور ان کے دالانوں میں دس دس مٹکے سونے کے زنجیروں میں جکڑے تھے ہر مٹکا سونے کی اشرافیوں سے بھرا ہوا تھا ہر مٹکے کے مُنہ پر سونے کی ایک ایک اینٹ اور اُس پر ایک بے جان بندر کا مجسمہ جو کہ لعل جواہر سے سجایا ہوا تھا رکھا گیا تھا۔ ان چار دالانوں میں کُل چالیس مٹکے اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھے انتالیس مٹکوں پر ہیروں سے سجے بے جان بندر کے مجسمے سونے کی اینٹ پر رکھے ہوئے تھے چالیسواں مٹکا لعل اور جواہرت سے بھرا ہوا تھا مگر اس پر بے جان بندر کا مجسمہ نہیں تھا بلکہ جواہرات سے بھرا ہوا ایک تالاب بھی تھا۔

سوال نمبر۲: ملک صادق کُون تھے اور شاہزادے کے ساتھ اُن کا کیا رشتہ تھا؟

جواب: ملک صادق جنوں اور پریوں کا بادشاہ تھا اور بدقسمت شہزادے کے والد کا جگری اور دلی دوست تھا۔ یہ دونوں دوست ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے تھے۔ اور اِن کو ایک دوسرے کی دوستی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ بادشاہ جب ملک صادق کے پاس جاتا تھا تو اپنے ساتھ کئی تحفے اور نذرانے لیکر جاتا تھا۔ اور جب وہاں سے رخصت کیا جاتا تھا تو ملک صادق سونے جواہرات کے تحائف کے علاوہ ایک ہیروں سے سجا ہوا بندر کا ایک بے جان مجسمہ بھی ساتھ میں دیتے تھے۔

سوال نمبر۳: شہزادے کے چچا کے لئے کیوں کہا گیا ہے کہ وہ ''بجائے ابوجہل'' کے تھے؟

جواب: ابوجہل مکہ مکرمہ کا ایک مشہور کافر تھا اور رشتہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کا اصلی نام ابی حِکم تھا اُس نے رُسول اللہ صلی علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا اور ہمیشہ اپنے یتیم بھتیجے کا سب سے بڑا دشمن بنا۔ آپ کو طرح طرح سے ستایا، تکلیفیں پہنچائی بلکہ آپنے بھتیجے کو قتل کروانے کے درپے تھے۔ چنانچہ آج بھی حق وصداقت سے انکار کرنے والے کو ابوجہل کے

ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔اسی لئے شہزادے کے چچا کو بھی ابوجہل کہا گیا کیونکہ وہ بھی تخت وتاج کی لالچ میں اندھا ہوکر اپنے یتیم بھتیجے کے حق کی ادائیگی سے انکار کر کے اُسے مروانا چاہتا تھا۔اور شاہزادے کا جانی دشمن بن کر خود ابوجہل کا کردار ادا کر رہا تھا۔ ہذا وہ خود بجائے ابوجہل تھا۔

سوال نمبر۴: سیر چوتھے درویش'' کو اپنے الفاظ میں تحریر کیجئے؟

جواب: یہ قصہ میر امّن دہلوی کی ایک مشہور داستان ''باغ و بہار'' سے لیا گیا ہے۔اس میں پانچ قصے بیاں کے گئے ہیں۔جو پانچ مختلف اشخاص کی آپ بیتی ہے اور سیر چوتھے درویش کی کہانی چوتھے درویش کا قصہ ہے۔وہ اپنی کہانی یوں بیان کرتا ہے کہا میں دراصل چین کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔میری زندگی آرام سے گذر رہی تھی کہ اچانک میرے والد صاحب انتقال فرما گئے چونکہ اُس وقت میں چُھوٹا بچہ تھا اس لئے مرتے وقت میرے چچا کو بُلا کر مجھے اُس کے حوالے کیا اور اُن سے کہا۔میرے بھائی اس یتیم بھتیجے کا خیال رکھنا۔جب تک اس میں سوجھ بوجھ پیدا ہو اور بالغ ہو جائے تب تک تم تخت سنبھال کر حکومت کے کام کاج کو انجام دینا۔ جب یہ بچہ بالغ ہو جائے تو تخت وتاج اس کے حوالے کرنا اور اپنی بیٹی روشن اختر کی شادی اس سے کر دینا۔اور خود حکومت کے کام کاج سے الگ ہونا۔اس طرح میرے والد کے فوت ہونے کے بعد میرے چچا بادشاہ بنے اور میں چودہ سال کی عمر تک بیگمات اور محل کی دیگر کنیزوں کے ساتھ کھیلتا کودتا رہا اور دل میں یہ آرزو لئے ہوئے خوشی تھی کہ بالغ ہوتے ہی بادشاہ بھی بنونگا اور روشن اختر سے شادی بھی ہوگی۔میرے والد کا ایک وفادار حبشی نوکر تھا۔جس کا نام مبارک تھا۔وہ مجھ سے بہت پیار کرتا تھا۔مجھے جوان ہوتا دیکھکر خوش ہوتا تھا۔ایک دن محل کی ایک معمولی کنیز نے مجھے ایک زور کا تھپڑ مارا حالانکہ میں بے قصور تھا۔میں روتا ہوا اپنے دوست مبارک کے پاس گیا اُس نے مجھے دلاسا دیا اور مجھے میرے چچا کے پاس دربار میں لے گیا اور وہاں اُسے یاد دلایا کہ اب شہزادہ بالغ ہوا ہے وعدے کے مطابق اب اس کی شادی ہو جانی چاہئے اور اسے اپنے باپ کا تاج وتخت ملنا چاہئے۔چچا نے بڑی چال بازی سے کام لیا اُسی وقت جوتشی اور نجومی بلوائے گئے اور اُن سے شادی کے لئے کوئی اچھی سی تاریخ تلاش کرنے کو کہا گیا۔ بادشاہ کا اشارہ سمجھ کر انہوں نے کہا کہ اس سال کوئی بھی دن ایسا نظر نہیں آتا کہ یہ نیک کام انجام دے سکیں لہذا ایک سال انتظار کرنا ہوگا۔دو تین دنوں کے بعد مبارک میرے پاس آیا اور ایسی خبر سنائی کہ میں بے موت مر گیا یعنی ظالم چچا نے مبارک کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح مجھے مار ڈالے اور اُسے دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے گا۔مبارک میرا سچا اور وفادار دوست تھا۔اُس نے چچا سے کہا کہ شہزادے کو جنگل میں لے جا کر مار دینا بہتر رہے گا تا کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکے۔اور چچا راضی ہو گیا تھا۔اسی دوران مبارک نے مجھے والد کا وہ تہہ خانہ بھی دکھایا جس کا علم میرے والد کے بعد صرف مبارک کو تھا۔تہہ خانے میں اُنتالیس مٹکے سُونے کی اشرفیوں سے بھرے ہوئے سونے کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اور ہر مٹکے کے مُنھ پر ایک سونے کی اینٹ پر ایک بے جان بندر کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ایک اور مٹکا بھی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا مگر اس کے منھ پر بے جان

بندر کا مجسمہ نہ تھا۔ مبارک نے مجھے اس کی پوری کیفیت بتائی کہ جنوں کا بادشاہ ملک صادق میرے مرحوم والد کا دلی دوست تھا۔ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ آمد و رفت تھی اُسی نے یہ بے جان بندر میرے والد کو تحفے کے طور پر دیئے تھے اور ہر بندر کے ماتحت ایک ہزار دیو ہیں لیکن جب تک پورے چالیس بندر جمع نہ ہو جائیں تب تک یہ سب بے کار ہیں۔ اسی لئے مبارک نے کہا کہ ہم ملک صادق کے پاس جائیں گے تا کہ اس سے چالیسواں بندر حاصل کرینگے۔ اور پھر ان دیوؤں کے ذریعے تُو اپنا حق حاصل کر سکے گا اور ظالم چچا سے اپنی جان بچا پائیگا ایک دن آدھی رات کو مبارک نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور مسلسل ایک ماہ تک ہم چلتے رہے ایک دن مبارک نے کہا کہ ہماری منزل قریب آ چکی ہے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر مبارک نے میری آنکھوں میں سلیمانی سرمہ لگا دیا تو مجھے صاف جنوں کا لشکر نظر آیا وہ سبھی مبارک کو جانتے تھے۔ انہوں نے ہمیں ملک صادق کے دربار میں پہنچایا۔ ملک صادق نے مبارک سے خیر و عافیت پوچھی تب مبارک نے جنوں کے بادشاہ کو میری ساری رام کہانی سنائی اور والد مرحوم کی دوستی کا واسطہ دے کر مدد طلب کرتے ہوئے چالیس واں بندر عطا کرنے کی مانگ کی۔ ملک صادق نے مجھے تسلی دی اور وعدہ دیا کہ وہ میری ہر طرح کی مدد فرمائیں گے لیکن اُس نے مجھ سے کہا کہ تمہیں بھی میرا ایک کام سرانجام دینا ہوگا۔ اگر تو وہ کام سرانجام دینے میں کامیاب ہوگا تو تمہیں میں تمہارا حق دلوا دونگا اور تمہارا تخت و تاج تمہیں دلوا دونگا۔ تو مطمین رہ۔

سوال نمبر۵: خالی جگہوں کو پُر کیجئے:

(ا) مُبارک شہزادے کا ہمدرد تھا۔ (ہمدرد۔ دشمن۔ بھائی)

(ب) بادشاہ شہزادے کو مارنا چاہتا تھا۔ (داماد بنانا چاہتا۔ مارنا چاہتا۔ بادشاہ بنانا)

(ج) ملک صادق نے شہزادے کو خوش کیا۔ (ناراض۔ خوش۔ ختم)

(د) شہزادہ چالیسواں بندر لانا چاہتا تھا۔ (اکیسواں۔ دسواں۔ چالیسواں)

سوال نمبر۶: سیاق و سباق کے ساتھ مصنف کا حوالہ دے کر درج ذیل پراگراف کا ماحصل لکھیے۔

''جب تلک شہزادہ جو مالک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ تو جان بحق تسلیم ہوئے''۔

جواب: عبارت کا یہ پیراگراف میر امّن کے لکھے ہوئے قصے ''سیر چوتھے درویش کی'' سے لیا گیا ہے۔ جس میں چوتھا درویش اپنی زندگی کی کہانی بیاں کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ میں چین کے بادشہ کا بیٹا ہوں ناز و ادا سے پالا گیا۔ زمانے کے بُرے بھلے سے ناواقف تھا سوچا کرتا تھا کہ زندگی اسی طرح آرام اور سکون سے بسر ہوگی لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا اسی بے فکری کے عالم میں میرے والد اس دنیا سے چل بسے۔ مرنے سے پہلے میرے چچا کو بُلایا اور اُس سے کہا کہ ''میرے بھائی میں یہ دنیا چھوڑ کر جا رہا ہوں لہذا تجھے جو وصیت کروں اس پر عمل کرنا اور وہ یہ ہے۔ کہ جب تک شہزادہ جو کہ اس ملک اور تخت و تاج کا حقیقی مالک ہے جوان ہو جائے۔ اور س میں سُوجھ بوجھ پیدا ہو۔ تب تک تم حُکومت کو سنبھالنا۔ تخت و تاج کا مالک بن کر فوج اور عام لوگوں کا خیال رکھنا جیسے میں رکھتا

تھا۔اور جب شہزادہ بالغ ہو جائیگا۔اور اُسے بُرے بھلے کی تمیز آ جائے گی۔تب یہ تاج وتخت اور حکومت اس کے حوالے کرنا اور اپنی بیٹی روشن اختر سے اس کی شادی کر کے خود حکومت سے الگ ہو جانا اس طریقے سے اس ملک کی بادشاہت ہمیشہ ہمارے خاندان ہی میں رہے گی'' یہ وصیت کر کے والد صاحب انتقال کر گئے۔

۷: **گرامر: کلام اور اس کی قسمیں۔**

جب دو یا دو سے زیادہ کلمات ترتیب پائیں تو اُسے ''مرکب'' کہتے ہیں۔ مرکب کی دو قسمیں ہیں۔(ا) مرکب تام (ب) مرکب ناقص۔

(ا) مرکب تام: وہ مرکب ہے۔جس سے سننے والا پورا مطلب سمجھ جائے۔اس مرکب کو ''جملہ'' یا مرکب مُفید بھی کہتے ہیں۔مثلاً زید لکھتا ہے۔اکبر بیمار تھا وغیرہ۔

(ب) مرکب ناقص: وہ مرکب ہے جس سے سننے والا پورا مطلب نہ سمجھ سکے۔مثلاً میرا دوست۔ٹھنڈا پانی۔حیدر علی۔شاہد کے سوا سب۔اسلم کا گھوڑا وغیرہ وغیرہ۔

مرکب ناقص کی اقسام

مرکب ناقص کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(ا) مرکب استثنائی (۲) مرکب اشاری (۳) مرکب امتزاجی (۴) مرکب تاکیدی (۵) مرکب اضافی
(٦) مرکب بدلی (۷) مرکب تمیزی (۸) مرکب توصیفی (۹) مرکب جاری (۱۰) مرکب ظرفی
(۱۱) مرکب عددی (۱۲) مرکب عطفی (۱۳) تابع موضوع (۱۴) تابع مہمل (۱۵) حال ذوالحال
(۱٦) عطف بیان ومبین۔

سوال نمبر۸: درج ذیل الفاظ کو ملا کر صحیح جملے بنائیے:

(ا) تھا ملک صادق جنوں کا بادشاہ	ملک صادق جنون کا بادشاہ تھا
(۲) دسویں پڑھتا میں جماعت ہوں میں	میں دسویں جماعت میں پڑھتا ہوں
(۳) کنارے دریا میرا مدرسہ واقع کے ہے	میرا مدرسہ دریا کے کنارے واقع ہے
(۴) کشمیر بھر دنیا میں مشہور ہے	کشمیر دنیا بھر میں مشہور ہے
(۵) داستان میرا من باغ و بہار نے لکھی ہے	داستانِ باغ و بہار میرا من نے لکھی ہے۔

سوال نمبر۹: سبق میں جو محاورے آئے ہیں ان کا مفہوم لکھئے:

محاورات	معنی	محاورات	معنی
چھاتی پر سانپ پھیرنا	غصہ میں پیچ وتاب کھانا	خاطر جمع رکھنا	اطمینان رکھنا
راست آنا	ٹھیک بیٹھنا	ہاتھ آنا	مل جانا
پاوں پر گر پڑنا	روُرو کر التجا کرنا	اُوپری دل سے	دکھاوے کے طور پر
بغیر مارے مرنا	سخت مصیبت میں ہونا	کنارہ پکڑنا	چھوڑ دینا

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
روبرو	مقابل۔آمنے سامنے	بے سروپائی	حیران وپریشان۔محتاجی	تباہ	برباد،ویران،اُجڑا
بیان کرنا	بات کرنا،خبر دینا	سبب	ساماں،موجب،واسطے	مرشداللہ	رہنما۔ہدایت دینے والا
متوجہ ہونا	توجہ کرنا،مخاطب ہونا	نازونعمت	لاڈوپیار،اچھے کھانے	بہ خوبی ترتیب	بہترین تعلیم وپرورش
بے فکری	بے پروائی،فکر سے آزاد	حادثہ	واردات،صدمہ	روبکار ہونا	مقدمے پر حاضر ہونا
قبلہ عالم	جہاں کا بزرگ،بادشاہ	رحلت فرمانا	فوت ہونا،رخصت ہونا	جان کندنی	دم توڑنے کی حالت
کوچ کرنا	روانہ ہونا،رخصت ہونا	نیابت کرنا	کسی شخص کی جگہ کام کرنا	تخت وچتر	مسند،گدی اور چھتری
شعور	دانائی،عقل،تمیز	کنارہ پکڑنا	الگ ہونا،باز آنا	سپاہ ورعیت	فوج اور لوگ
سلطنت	بادشاہی،حکومت	وصیت کرنا	مرتے وقت کچھ سمجھانا	سلوک	مہربانی،برتاؤ
خلل نہ آنا	نقصان نہ ہونا	جان بحق تسلیم ہونا	مرجانا،فوت ہونا	بندوبست	انتظام،تدبیر
خواصوں	بڑے لوگ،اچھے غلام	ہاتھ لگنا	حاصل ہونا،بس میں آنا	کتخدائی	نکاح،بیاہ
مرحوم	مرا ہوا،رحمت کیا گیا	نمک حلال	شکر گذار،خیر خواہ	الحمداللہ	سب تعریفیں خدا کے لئے
انشااللہ	اگر خدا نے چاہا	عموظل سبحانی	چچا جس پر خدا کا سایہ ہو	تئیں	کو،لئے،واسطے

آستین	لباس کا وہ حصہ جہاں سے بازو نکلتا ہے	حضور	جناب،قبلہ،سامنے	شفقت	مہربانی،رحم،محبت
دل گیر	اُداس،غمگین۔مغموم	نجومی	علم نجوم جاننے والا	رَمال	رَمل کے ذریعہ خبر دینے والا
اُوپری دل	دکھاوا،ظاہری طور	مہورت	مبارک گھڑی،موقع	نحس	منحوس،بدشگون
امانت	سپرد کی ہوئی چیز	کارخیر	نیک کام،ثواب	سعد	نیک،مبارک
خاطر جمع رکھنا	اطمینان،تسلی ہونا	باعث	وجہ،سبب،علت	خیرخواہ	بہی خواہ،خیراندیش
کاش	خدا کرے،کیا اچھا ہو	قباحت	عیب،کھوٹ	خانہ زاد	گھر کا پیدا ہوا غلام
خلوت	خواب گاہ،تنہائی	راست آنا	ٹھیک،موافق،درست	اغلب	یقیناً،غالب تر
نمود ہونا	ظاہر ہونا،معلوم ہونا	صندلی	کرسی،تخت	جڑاؤ کا بنا	لعل اور جوہر جڑے ہوئے
میمون	بندر،جنگلی جانور	خشت	اینٹ	لبالب حوض	بھرا ہوا تالاب
طلسم	جادو،عجیب وغریب	بوزنے	بندر،بن مانس	آمدورافت	آنا جانا،میل ملاپ
سوغاتیں	تحفے،عمدہ چیزیں	مطلع ہونا	واقف ہونا۔آگاہ ہونا	نیگ نہ لگنا	کسی بھی کام نہ آنا
بالفعل	فی الحال،اس وقت	عطراور بخور	خوشبو اور اگربتی	دغدغہ	خوف۔اندیشہ،ڈر
عوض	بدلہ۔اجر۔معاوضہ	کھپا دینا	مار ڈالنا۔ختم کرنا	دل جمعی	بےفکری۔اطمینان
تنبوقنات	خیمہ اور کپڑے کی دیوار	مزاحیں کرنا	ہنسی مذاق کی باتیں کرنا	سراچوں	بڑے خیمے،کھانچے
یساول	گھوڑے پر کا سوار	گرز بردار	ایک گول ہتھیار اُٹھانے والا	مُرَبی	پرورش کرنے والا

﴿نوکروں پر سخت گیری کرنے کا انجام﴾

شعرنمبرا: ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر **درگزر تھی اور نہ ساتھ اُن کے رعایت تھی کہیں**

تفہیم الفاظ:۔ آقا = مالک،نوکر = ملازم،سخت گیر = سختی کرنے والا،درگزر = معافی،رعایت = پاس،خیال

تشریح:۔ایک مالک ہمیشہ اپنے نوکروں کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتا تھا اُن کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو کبھی بھی معاف نہیں کرتا تھا بلکہ اُنہیں سزائیں دیتا تھا اور نہ اُن کے ساتھ کسی بھی معاملے میں نرمی برتتا تھا یعنی کوئی رعایت نہیں دیتا تھا۔

شعر نمبر۲: بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کو معاف کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

تفہیم الفاظ: سزا= بدلہ۔عوض، خطا= گناہ۔قصور، مہلت= فرصت۔ڈھیل، تئیں= کو۔لئے۔واسطے

تشریح: اُن نوکروں کی کوئی بھی غلطی سزا کے بغیر معاف نہیں ہوتی تھی۔ان نوکروں سے وہ مالک زیادہ کام کراتا تھا۔اور انہیں کام سے کبھی کوئی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔

شعر نمبر۳: حُسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار ذکر کیا نکلے جو مُنھ سے اُس کے آفرین

تفہیم الفاظ:۔ حُسن خدمت= اچھا کام، بھلائی، صلہ= انعام، اضافہ= زیادتی۔ترقی، درکنار= ایک طرف۔جُدا۔مُنھ سے= بددلی کے ساتھ، ذکر= بیاں، آفریں= شاباشی

تشریح: ان نوکروں کی اچھی خدمت یا اچھا کام کرنے پر انعام دینا یا تنخواہ میں اضافہ کرنا تو دُور کی بات تھی بلکہ وہ زبان سے بھی اس کے لئے کوئی شاباشی کے دو لفظ بھی نہیں دیتا تھا۔

شعر نمبر۴: پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار نتھنے پُھولے، منہ چڑھا ماتھے پہ بل ابرو پہ چین۔

تفہیم الفاظ: دوچار ہونا= سامنا ہونا، ملاقات ہونا+ نتھنے پھولنا۔ناراض ہونا، ناک چڑھانا+منہ چڑھانا، گستاخی کرنا، بدمزاجی+ ماتھے پر بل آنا، ناراض ہونا+ ابرو پہ چین، بہت ناراض ہونا

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ جب کبھی بھی آتے جاتے ان نوکروں کی ملاقات اپنے مالک سے ہو جاتی تھی تو یہ مالک اپنے نوکروں سے کبھی بھی خندہ پیشانی سے نہیں ملتا تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اُن پر غصہ کرتا تھا اور اس غصے کی وجہ سے اُس کے نتھنے پھولے ہوئے اور پیشانی پر بل ہوتے تھے۔

شعر نمبر۵: تھی نہ جُز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح آ کے ہو جاتے تھے خاین جو کہ ہوتے تھے امین۔

تفہیم الفاظ: جز= سوا، علاوہ+فتوح= فتح کی جمع، بالائی آمدنی+ خائن= بددیانت+ امین= ایماندار، امانت دار

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ ان نوکروں کو سوائے تنخواہ کے اور کوئی اضافی آمدنی حاصل نہٰں ہوتی تھی اور نہ مالک کوئی بخشش یا انعام اُن کو دیتا تھا۔لہذا یہ نوکر نوکری شروع کرتے وقت سچے، نیک اور ایماندار ہوتے ہیں مگر پھر بددیانت بن جاتے ہیں۔

شعر نمبر۶: رہتا تھا اِک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں۔

تفہیم الفاظ: شرائط نامہ= عہد و پیمان، اگریمنٹ+فرض= ذمہ داری، ڈیوٹی+تعین= مقرر کیا ہوا، لگا ہوا

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ یہ مالک ہر نوکر کے ساتھ ایک اگرئمینٹ تحریری طور لیتا تھا جس میں نوکری کی سبھی شرطیں اور اُن کے کاموں کی

تفصیل لکھی ہوتی تھی جو اُن کے ذمے ہوتے تھے۔

شعر نمبر ۷: گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں

تفہیم الفاظ: خواستگار = امیدوار، طالب + زہر کے گھونٹ پینا = ناگوار بات کو گوارا کرنا + انگبین = شہد

تشریح: اب اگر کوئی نوکر کبھی کسی رعایت کا طلب گار ہوتا تھا تو اُس کی خواہش پوری کرنے کے بجائے اُسے ڈانٹ کھانی پڑتی تھی گویا اسے شہد کے بدلے زہر کا پیالہ پینا پڑتا تھا۔

شعر نمبر ۸: حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں تا کہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں۔

تفہیم الفاظ: حکم = فرمان + درخواست = عرضی، التماس + واجبی = ضروری، لازمی، مناسب

تشریح: مالک نوکر کو حکم دیتا تھا کہ اپنا اگریمنٹ یعنی معاہدہ نامہ دکھاؤ تا کہ میں دیکھوں کہ جس رعایت کا تو اس وقت طلبگار ہے کیا اُس میں یہ شرط لکھی ہوئی ہے یا نہیں۔

شعر نمبر ۹: واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ دار تھیں کُریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمے تھیں۔

تفہیم الفاظ: واں = وہاں + سوا = بغیر + ذمہ وار = جوب دہ + کُریں = شرطیں، قوائد

تشریح: نوکر جب معایدہ نامہ لاتا تھا اور اُس میں صرف یہ لکھا ہوا ہوتا تھا کہ مالک صرف نوکروں کی تنخواہ کا ذمہ دار ہے اور باقی شرائط جو معاہدے میں لکھی تھیں وہ سب نوکروں کے ذمے تھیں۔

شعر نمبر ۱۰: دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مار آستین۔

تفہیم الفاظ: کاغذ = تحریر، اگریمنٹ + لاجواب = جواب نہ بن پڑنا + مار آستین = چھپا ہوا دشمن

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ نوکر اپنے معائدہ نامہ پر لکھی ہوئی شرطیں جب دیکھتے تھے تو اُن سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا اور وہ لاجواب ہوتے تھے۔لیکن مالک کے ایسے ظالمانہ برتاؤ نے اُن کے دل میں مالک کے لئے نفرت پیدا کر دی تھی اور دل ہی دل میں وہ اس کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

شعر نمبر ۱۱: ایک دن آقا تھا اِک مُنہ زُور گھوڑے پر سوار تھک گئے جب زور کرتے کرتے دست نازنیں۔

تفہیم الفاظ: منہ زور = وہ گھوڑا جو لگام کو نہ مانے + زور = قوت، طاقت + دست = ہاتھ + نازنین = خوبصورت، نازک + تھک گئے = عاجز ہونا، سست پڑنا + دست نازنین = محبوب کے نازک ہاتھ

تشریح: حالؔی فرماتے ہیں کہ ایک دن یہ ظالم آقا ایک تیز طرار گھوڑے پر سوار ہوا تھا۔اور گھوڑے کو قابو میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔اور جب لگام کھینچتے کھینچتے اُس کے ہاتھ تھک گئے۔

شعر نمبر ۱۲: دفعتاً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار اور گرا اسوار صدر زین سے بالائے زمیں۔

تفہیم الفاظ: دفعتاً = اچانک، فوراً + راہوار = تیز دوڑنے والا گھوڑا + اسوار = گھوڑے پر چڑھا ہوا سوار + صدر = اعلےٰ جگہ + زین = کاٹھی

چار جامہ + بالائے = اوپر، چوٹی + زمین = مٹی، دھرتی

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ گھوڑے کو قابو میں لانے کی وجہ سے لگام کھینچتے کھینچتے جب مالک کے نازک ہاتھ سُست پڑ گئے تو اچانک گھوڑا قابو سے باہر ہو گیا اور تیز دوڑنے لگا اور اس پر بیٹھا ہوا سوار یعنی ظالم مالک اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا اور گھوڑے کی زین سے لڑھک کر زمین پر گر پڑا اور اُس کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا گھوڑا اُس کو رگڑتے ہوئے تیز بھاگتا رہا۔

شعر نمبر ۱۳: کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب کی نظر سائیس کی جانب کہ ہوا گر معین۔

تفہیم الفاظ: رکاب = وہ لوئے کا حلقہ جو زین میں دونوں طرف سے لٹکتا رہتا ہے اور سوار اس میں اپنے پاؤں رکھتا ہے + سائیس = گھوڑے کی خدمت کرنے والا + جا

تشریح: حالؔی کہتے ہیں جب مالک گھوڑے سے گر پڑا تو اس کا پاؤں رکاب میں ہی پھنسا رہا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ پاؤں رکاب سے لگ ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا پھر ایسی حالت مٰں اُس نے اپنے نوکر سائیس کی طرف دیکھا کہ وہ آ کر اس مصیبت کی گھڑی میں مالک کی مدد کر سکے۔

شعر نمبر ۱۴: تھا مگر سائیس ایسا سنگ دل اور بے وفا دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعین

تفہیم الفاظ: سنگ دل = بے رحم، پتھر دل + بے وفا = نامہربان + لعین = شیطان + ٹس سے مس نہ ہونا = بالکل محسوس نہ ہونا، ذرا متاثر نہ ہونا

تشریح: حالؔی کہتے ہیں اس مالک کے سبھی نوکر مالک کا ظالمانہ رویہ دیکھکر بے وفا ہو گئے تھے اسی لئے سائیس بھی بے رحم، پتھر دل اور بے وفا بن گیا تھا۔ مالک کی اس بے بسی کو دیکھ کر اُس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ اور اس مصیبت کی گھڑی میں کم بخت دور سے مالک کی یہ حالت دیکھتا رہا مدد کرنا تو درکنار وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

شعر نمبر ۱۵: دُور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں۔

تفہیم الفاظ: کاغذ = شرائط نامہ، ایگریمنٹ + سرکار = مالک، آقا + شرط = کول وقرار، دفعہ

تشریح: حالؔی کہتے ہیں کہ جب مالک نے نوکر کی طرف دیکھا کہ وہ اس کی مدد کریں مگر وہ بے وفا نوکر اُس کی مدد کے لے آگے نہ بڑھا بلکہ اس نے دور ہی سے مالک کو معاہدہ نامہ دکھا کر کہا کہ اس شرائط نامہ میں یہ شرط نہیں لکھی ہوئی ہے کہ اس حالت میں آپ کی کوئی مدد کرنے کا پابند ہوں لہذا آپ جانیں اور آپ کا کام۔ اس طرح یہ سنگ دل اور سخت گیر مالک اپنے بُرے انجام کو خود ہی پہنچا اور اپنے کئے کی سزا پائی۔

سوال نمبر ۱: یہ کہانی بیاں کرنے سے حالؔی کا کیا مقصد ہے؟

جواب: یہ کہانی بیاں کرنے سے حالؔی کا مقصد یہی ہے کہ ہمیں اپنے ماتحتوں اور نوکروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرانا چاہئے۔ نوکر بھی ہماری ہی طرح انسان ہوتے ہیں۔ اگر ہم اُن کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں گے اور اُن کا خیال رکھیں گے تو وہ ہماری خدمت سچے دل

سے کریں گے اور ہمارے صحیح معنوں میں وفادار ہوں گے اور اگر ان کی طرف ہمارا رویہ غیر ہمدردانہ ہوگا تو ہمارا حشر بھی اُس آقا جیسا ہوگا جس کا قصہ اس قطعہ میں حالؔی نے بیان کیا ہے۔

سوال نمبر۲: ہمیں اپنے ماتحتوں سے کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے؟

جواب: ہمیں اپنے خدمت گاروں اور خادموں کے ساتھ ہمیشہ نیک برتاؤ کرنا چاہئے۔ کیونکہ آخر کار وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اور خدا کے بندے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہمارے نوکر ہیں۔ مگر وہ ہماری ہمدردی کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔ ہمیں اُن کے ساتھ نرمی اور ہمدردی سے پیش آنا چاہئے۔ اُن کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ اس طرح سے وہ ہماری خدمت سچے دل سے انجام دینگے اور حقیقی معنوں میں ہمارے وفادار خدمت گار بن جائیں گے اگر ہمارا رویہ ان کے ساتھ غیر ہمدردانہ ہوگا تو اُن کے دل میں بھی ہمارے لئے کوئی عزت نہیں ہوگی۔

سوال نمبر۳: اس قطعے میں جو کہانی بیان کی گئی ہے اُسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔

جواب: ایک مالک اپنے نوکروں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتا تھا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو بھی معاف نہیں کرتا تھا۔ نوکر لاکھ اچھا کام کرتے لیکن انعام تو دور کی بات ہے مالک کے منہ سے کبھی دو لفظ تعریف کے نہیں نکلتے تھے نوکروں کو سوائے تنخواہ کے اور کوئی رعایت نہیں ملتی تھی۔ ہر نوکر کے پاس اس کے کام کاج سے متعلق ایک اقرار نامہ ہوتا تھا جس میں نوکری کی سب شرطیں درج ہوتی تھیں۔ اگر کبھی کوئی کسی قسم کی رعایت کا خواہش مند ہوتا تو مالک صاف انکار کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ شرائط نامے میں اس قسم کی کوئی بات درج نہیں ہے۔

ایک دن یہ ظالم مالک اپنے ایک تیز طرار گھوڑے پر سوار ہوا۔ اچانک گھوڑا بے قابو ہو گیا مالک نے گھوڑے کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ رُکا اور گھوڑے سے گر پڑھا اس کا پاؤں زین کی رکاب میں سے نہ نکل سکا۔ تب اُس نے رحم طلب نظروں سے اُس نوکر کی طرف دیکھا جو گھوڑے کی خدمت پر مامور تھا۔ لیکن گھوڑوں کا خدمت گار یعنی سائیس دور کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ جب مالک نے س سے مدد مانگی تو اس نے دُور سے ہی اپنا شرائط نامہ دکھایا اور کہا دیکھئے مالک اس اقرار نامے میں یہ شرط کہیں نہیں لکھی ہے کہ میں آپ کو گھوڑے سے گرتے ہوئے بچاؤں۔ اس لئے آپ جانیں اور آپ کا گھوڑا! اس طرح اس ظالم مالک کو نوکروں پر ظلم کرنے کی پوری سزا ملی۔

سوال نمبر۴: مندرجہ ذیل اشعار کو نثر میں بدل دیں۔

کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب	کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آ کر معیں
تھا مگر سائیس ایسا سنگ دل اور بے وفا	دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا یعں

جواب: ان اشعار کی نثر یوں ہو سکتی ہے۔

''بہت کوشش کرنے کے باوجود پاؤں سے رکاب نہیں چھوٹ گئی۔ تب سائیس کی جانب نظر کی کہ وہ مدد کرنے کو آئے مگر سائیس

ایسا سنگ دل اور بے وفا تھا کہ شیطانِ لعین ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ دور سے ہی کھڑا تماشہ دیکھتا رہا''۔

سوال نمبر۵: اُردو شاعری کی ایک اہم صنف قطعہ پر نوٹ لکھئے؟

جواب: قطعہ کے لغوی معنیٰ ''ٹکڑا'' یا ''جزو'' کے ہیں۔اصطلاح میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ایک خیال یا واقعہ کو مسلسل اور مربوط شکل میں نظم کیا جاتا ہے۔قطعہ کم از کم دو اشعار کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیلئے کوئی قید نہیں۔قطعے غزل کے درمیان میں بھی آجاتے ہیں۔قطعہ میں پہلے شعر کے دونوں مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا ضروری نہیں۔قطعہ ہر بحر میں کہا جاسکتا ہے۔موضوع کی قید بھی نہیں۔ قطعہ میں ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ کی پابندی لازمی ہے۔اس صنف میں فلسفیانہ حکیمانہ اور اخلاقی مضامیں بڑی خوش اسلوبی سے آجاتے ہیں۔چھوٹے چھوٹے واقعات اور محسوسات کو قطعے میں نظم کیا جاتا ہے۔تمام بڑے شاعروں نے کوئی نہ کوئی قطعہ لکھا ہے جن میں اکبر آلہ آبادی اور مولانا حالؔی کے قطعے خاصے کی چیزیں ہیں۔

سوال نمبر۶: حالؔی کی حیات کا تذکرہ کیجئے؟

جواب: خواجہ الطاف حسّین حالؔی ۱۸۳۷ء میں پانی پت کے محلّہ انصار میں پیدا ہوئے۔ چار برس ہوئے تو پانی پت کے مشہور حافظ قرآن ممتاز حسّین سے قرآن شریف پڑھنے لگے۔ابھی نو سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ان کے والد چل بسے۔کچھ عرصہ بعد ماں کے پیار سے بھی محروم ہوگئے۔اسی لئے تعلیم اور نگرانی کا فرض بڑی بہن اور بھائی نے ادا کیا۔ماں باپ کی جدائی کا ان کے دل پر گہرا اثر پڑا جس کی وجہ سے اُنہیں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ابھی ان کی عمر سترہ برس کی تھی کہ بہن بھائیوں کو شوق ہوا کہ اُن کی شادی رچائیں اُن کے نہ چاہتے ہوئے بھی بیاہ ہوگیا۔علم حاصل کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ چُپ چاپ گھر سے نکل پڑے اور دہلی جا پہنچے۔وہاں ہزار طرح کی مصیبتیں اُٹھائیں لیکن تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔اسی شہر میں نواب شیفتہ سے شناسائی ہوئی۔انہوں نے حالی کو اپنے بچوں کا استاد مقرر کیا نواب صاحب کے ذریعے اُردو کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خان غالبؔ سے ملے اور شاعری میں ان کے شاگرد ہوگئے۔مرزا غالبؔ کی وفات کے بعد دلی کے اینگلو عربک اسکول میں فارسی پڑھانے لگے اور اس کے بعد لاہور چلے گئے جہاں کے تعلیمی ادارے گورنمنٹ بُک ڈپو میں ان کو نوکری مل گئی۔گورنمنٹ بک ڈپو ٹوٹا تو حالؔی کو سر سید احمد خان نے علی گڑھ بُلایا اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔اُسی زمانے میں آپ نے مشہور و معروف ''مسدس مدوجزر اسلام'' لکھا۔مولانا الطاف حسّین حالؔی شاعر بھی تھے۔اور نثر نگار بھی۔دونوں میں ان کا درجہ بلند نظر آتا ہے۔ان کی مشہور کتابوں میں حیات سعدی۔یادگار غالب۔حیات جاوید۔دیوان حالی۔مقدمہ شعر و شاعر اور مدوجزر اسلام وغیرہ ہیں حالؔی نے ایک شاعر اور ایک نثر نگار کی حیثیت سے اُردو ادب کے خزانہ کو مالا مال کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں اس مخلص انسان کا پانی پت میں زندگی کا سفر ختم ہوا۔

سوال نمبر۷: حالؔی کے ادبی خدمات کا جائیزہ لیتے ہوئے ان کا مقام متعین کیجئے۔

جواب: حالؔی نے غالب سے مشورۂ سخن کیا اور شیفتہ سے استفادہ حاصل کیا اور میرؔ کی تقلید کی۔ حالی کی شاعری غزل گوئی اور نظم گوئی پر مشتعمل ہے۔ ان کی غزلیں قدیم وجدید رنگ کی ہیں۔ ان کی نظمیں فطرت وقومیت کے جذبات واحساسات کی ترجمان ہیں۔ نثر میں حالؔی نے تنقید نگاری اور سوانح نگاری پر سب سے پہلے توجہ کی۔ اور آپ اُردو میں سیرت نگاری، تنقید، قومی شاعری اور نیچرل شاعری کے موجد ہیں۔ ادب پر آپ کا یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اپنی زبردت جدوجہد اور کوشش سے اُردو شاعری خصوصاً اردو نظم کو ایسی پاکیزگی، اثر آفرینی اور لطافت بخشی جو قیامت تک اردو ادب کو زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ حالؔی اُردو زبان کے سب سے بڑے نقاد ہیں۔ حالؔی کو ہندوستان کا سعدی، اردو ادب کا مجدّد، جدید نقطہ نظر کا پیام بر، نیچرل شاعری کا بانی، اردو کا پہلا نقاد اور سوانح نگار ملت اسلامیہ کا بے لُوث خادم اور مادر وطن کا مایہ ناز فرزند تسلیم کیا گیا ہے۔

سوال نمبر۸: گرامر:۔ ''چند اصطلاحات''

حالؔی کی ایک غزل سے لئے گئے چند اشعار کے مدد سے سیکھئے:

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں — مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں ں
قفس میں جی نہیں لگتا ہے اب تو — لگادو آگ کوئی آشیاں ں
نیا ہے لیجئے جب نام اس کا — بہت وسعت ہے میری داستاں ں
بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر — ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

۱:۔ جہاں، زباں، آشیاں اور داستاں ہم وزن الفاظ ہیں۔ ایسے ہم وزن لفظوں کو شاعری میں ''قافیہ'' کہتے ہیں۔

۲:۔ ''میں'' لفظ بار بار استعمال ہوا ہے یہ قافیہ کے بعد بار بار آیا ہے ایسے دہرائے لفظ کو ''ردیف'' کہتے ہیں۔

۳:۔ ایک شعر کے دو ٹکڑے یا حصے ہوتے ہیں ہر ٹکڑے کو ''مصرع'' کہتے ہیں۔ دو مصرعے ملا کر ایک مکمل شعر بنتا ہے۔

۴:۔ پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف ہوتے ہیں۔ یہ ''مطلع'' کہلاتا ہے جیسے غزل کا پہلا شعر۔

۵:۔ کسی غزل میں ایک سے زیادہ مطلعے ہوتے ہیں ایسی صورت میں پہلے کو مطلع اولیٰ اور دوسرے کو مطلع ثانی یا حسن مطلع کہتے ہیں۔

۶:۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر عموماً اپنا نام تخلص استعمال کرتا ہے۔ یہ شعر مقطع کہلاتا ہے۔

غزل

معنوی اور لغوی حیثیت سے غزل گوئی اُس صنف سخن کو کہتے ہیں۔ جس میں عشق کی داستان خود عاشق کی زبان سے ادا کی جائیے۔ تمام اصناف شعر میں غزل سب سے حسین دل کش اور سب سے زیادہ پسندیدہ قسم ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق جذبات اور احساسات

سے ہے۔یعنی یہ ایسے مختلف اشعار کا مجموعہ ہوتا ہے۔جس میں واردات قلبی کا تذکرہ کیا گیا ہو۔اُردو ادب کے ابتدائی دور سے اس کا وجود ہے۔ یہ فارسی سے اُردو میں آئی۔اس کا ہر شعر الگ الگ مطلب کا حامل ہوتا ہے۔غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں اگر دوسرا شعر بھی ہم قافیہ ہو تو اُسے حسن مطلع کہتے ہیں۔اس طرح ایک سے زائد مطلع والی غزل کے پہلے شعر کو مطلع اول یا شاہ مطلع اور دوسرے مطلع کو حُسن مطلع یا مطلع ثانی بھی کہتے ہیں۔آخری شعر جس میں تخلص استعمال ہوتا ہے۔مقطع کہلاتا ہے۔غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مستقل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر شعر ایک مکمل مضموں ہوتا ہے۔بعض اوقات پوری غزل میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے اور بعض اوقات ہر شعر الگ الگ مضموں ہوتا ہے۔غزل ایک ہی بحر میں لکھی جاتی ہے غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا جاتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ مقبول صنف ہے۔اس کا آغاز دکن سے ہوا اور اِس کو عروج شمالی ہندستان میں حاصل ہوا۔اس صنف کو اُردو میں میرؔ، سوداؔ، دردؔ، مومنؔ اور غالبؔ وغیرہ نے بام عروج پر پہنچایا۔ غزل گو شعراء کے دو بڑے مرکز لکھنو اور دلی تھے۔غزل کی مخالفت بھی ہوئی مگر آج بھی اس کی آب و تاب میں کوئی فرق نہیں آیا۔غزل کی ملنساری اور رواداری نے حسن و عشق کے میدان سے آگے قدم بڑھایا اور اخلاقی ،فلسفہ،تصوف وغیرہ ہر قسم کے مضامین کو اپنے اندر جگہ دی۔ اقبالؔ، مجازؔ، اور فیضؔ نے غزل میں انقلاب پیدا کر دیا۔حسرتؔ، فانیؔ، جگرؔ اور فراقؔ نے غزل کو ایک لافانی صنف بنا دیا۔

میر تقی میرؔ

نام میر محمد تقی اور میرؔ تخلص تھا۔والد کا نام میر محمد متقی تھا۔آگرہ کے رہنے والے تھے۔۱۷۲۳ء میں پیدا ہوئے۔گیارہ برس کی عمر میں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔اس کے سوتیلے بھائیوں نے اُنھیں بہت تکلیف دی جس کا تذکرہ انہوں نے ذکر میرؔ میں کیا ہے۔میر تقی کی زندگی کا زیادہ عرصہ دلی میں اور آخری زمانہ لکھنو میں گذرا۔اس نے بڑا پُر آشوب زمانہ پایا تھا۔ایک طرف دلی بار بار حملوں اور لوٹ مار کا نشانہ بنتی رہی۔دوسری طرف خود میرؔ کی زندگی آلام و مصائب کا شکار تھی۔آخر کار مجبور ہو کر دلی کو خیر باد کیا۔لکھنو آئے۔نواب آصف الدولہ نے سُنا تو اپنے یہاں لے گئے اور دو سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔کچھ دنوں تک دربار میں آنا جانا رہا مگر کسی بات پر نواب سے ان بن ہو گئی نازک مزاج تھے ہی اس پر حد درجہ خودداری مرتے مر گئے مگر پھر کبھی نواب کے یہاں قدم نہیں رکھا۔۱۸۱۰ء میں لکھنو میں ہی انتقال کیا۔

میر تقی میرؔ کے ادبی کارنامے

میر تقی میرؔ اپنے زمانے ہی میں غزل گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے اور بعد کے شعراء نے بھی ان کی استادی کا لوہا مانا ہے۔غزل میں ان کا رتبہ سب سے بلند ہے۔قدرت نے اُنھیں بے پناہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ دردمند دل بھی عطا کیا تھا۔آلام رُوزگار، غمِ زندگی اور دردمندی، ان تمام باتوں نے مل کر ان کے کلام اور بالخصوص غزلوں میں بے پناہ درد اور کڑواپن بھر دیا ہے۔میرؔ اپنی غزلوں میں ایسی بحروں کا استعمال کرتے ہیں۔جن سے درد و غم کی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے اور موسیقیت بھی۔الفاظ سبک اور نرم و نازک استعمال کرتے ہیں۔میرؔ کا لب و لہجہ نرم، دھیما اور درد انگیز ہوتا ہے۔میرؔ کے چھ دیوان ہیں۔ان کے علاوہ نکات الشعراء اور ''ذکر میر'' فارسی

کی کتابیں ہیں۔غزلوں کے علاوہ قصیدے،مثنویاں،مرثیے اور نظمیں وغیرہ بھی کہی ہیں۔

میر تقی میرؔ کی غزل نمبر ۔۱

شعرنمبر۱: ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

تشریح: میرؔ فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب تمہاری چاہت اور محبت میں، میں اس مقام پر پہنچا ہوں جس کا اظہار اور بیاں ناممکن ہے۔ تمہارے نام سے اس قدر اُنس اور تعلق پیدا ہوا ہے۔کہ اب اگر میرے سامنے کوئی تمہارا نام لیتا ہے تو میں اُس کو اپنا رقیب سمجھنے لگتا ہوں۔ مجھے یہ گمان ہوتا ہے۔کہ کہیں اس شخص کا مقصود بھی تم ہی نہ ہو۔اس طرح بے قرار ہو جاتا ہوں اور اپنے دل کو تھام کر رہ جاتا ہوں۔

شعرنمبر۲: وہ کج روش نہ ملا راستی میں مجھ سے کبھو نہ سیدھی طرح سے اُن نے میرا سلام لیا

تشریح: میرؔ اپنے بے وفا دوست کی شکایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرا محبوب ہمیشہ ٹیڑھی راہ چلتا ہے۔یعنی ہر وقت بے وفائی سے کام لیتا ہے۔میں نے ہمیشہ وفاداری کی وہ بے وفائی کرتا رہا۔اور کبھی بھی محبت کا جواب محبت سے نہ دیا بلکہ اگر وہ مجھے کہیں راستے میں ملا۔یا اس کا یا میرا آمنا سامنا راستے میں ہوا تو بات کرنا تو درکنار اُس نے میرا محبت بھرا سلام تک قبول نہیں کیا۔حالانکہ مجھے اُمید تھی کہ وہ اپنی نظر عنایت سے نوازے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔

شعرنمبر۳:۔میرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں تمام عمر میں نے ناکامیوں سے کام لیا

تفہیم الفاظ:۔سلیقہ۔لیاقت ۔ طور وطریقہ + نبھانا = انجام دینا + ناکامی =مایوسی + کام لینا = کام کرانا

تشریح:۔میرؔ کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ سلیقہ سے اپنی محبت نبھائی ہے یعنی زندگی گذاری ہے۔ اگرچہ محبت میں مجھے عمر بھر ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔مگر میں اس ناکامی کے ڈر سے محبت نبھانے سے باز نہیں آیا۔ حالانکہ انسان جب کسی کام میں ناکام ہوتا ہے تو وہ کام دوبارہ کرنے سے باز رہتا بلکہ دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔مگر میں نے اپنی ناکامیوں سے سمجھوتا کیا۔ دل کو سمجھایا اور ناکامی کو ہی اپنی کامیابی جان کر رسم الفت کو سلیقہ اور تمیز کے ساتھ نبھایا۔

شعرنمبر۴:۔اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ پہ میرے شعر نے روئے زمین تمام لیا

تفہیم الفاظ:۔گوشہ گزیں۔کونے میں بیٹھنا۔تنہا رہنا+روئے زمین۔پوری دنیا+تمام لیا۔مشہور ہونا۔چھا جانا

تشریح:۔میرؔ نے اس غزل کے مقطع میں شاعرانہ تعلّی سے کام لیا ہے۔ اپنی شاعری کی تعریفیں کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اگرچہ میں دوسرے شاعروں کی نسبت عام لوگوں سے الگ تھلگ اور خلوت نشین رہا۔ تنہائی کی زندگی بسر کی۔ نہ مشاعروں میں حصہ لیا نہ کہیں آنا جانا رہا۔ پھر بھی میری شعر گوئی' کلام کی خوبی اور شاعرانہ صلاحیتوں کی دھوم پوری دنیا میں چھا گئی۔ میری شاعری نے اپنی حیثیت منوائی۔ غزلوں کی شہرت نے بلندیوں کو چھُوا۔

غزل نمبر۲

شعرنمبر۱:۔ ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا　　پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

تفہیم الفاظ:۔ ہنگامہ۔ہلچل۔شور وغل+گرم۔تیز رفتار۔تپتا+کُن۔کر۔ہوجا۔ظاہر ہو+ناصبور۔بے صبر۔مضطرب+نالہ۔آہ وبکا۔ فریاد+شور۔غل+نشور۔مردے کا قیامت کے دن اُٹھنا

تشریح:۔ میر تقی میرؔ فرماتے ہیں کہ اے بے صبر اور مضطرب انسان ہنگامہ گرم کر۔اور اپنی آہ وبکا سے محشر کی کیفیت پیدا کر یعنی تمہارے ہر ایک نالہ سے حشر کا سماں پیدا ہونا چاہے۔اپنے میں ایک انقلابی جذبہ پیدا کر۔کورانہ تقلید پر قناعت نہ کر۔ بلکہ اپنے لئے نئی نئی راہیں تلاش کر۔کیونکہ زندگی کی خاصیت یہ ہے۔کہ وہ تصادم، ہنگامہ اور لگاتار جدوجہد میں لذت محسوس کرتی ہے۔کیونکہ اس کا ارتقا انہی باتوں پر منحصر ہے۔

شعرنمبر۲:۔ پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں　　معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

تفہیم الفاظ:۔ پہنچا۔ملا۔وارد ہوا+آپ کو۔اپنے تئیں۔اپنے کو+تئیں۔کو۔لئے+دُور۔بعید۔پرے

تشریح:۔ میرؔ اس شعر میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہٗ کے اس مقولہ کی تشریح فرماتے ہیں۔ مَن عَرفَ نَفسہُ فَقَد عَرَفَ رَبَّہُ یعنی عاشق جب تک اپنی خودی سے آگاہ نہیں ہوتا۔اُس وقت تک محبوب کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہوجاتا ہے۔تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ جسے میں صحرا اور بیابان میں ڈھونڈ رہا تھا وہ تو خود میرے ہی وجود کے اندر پوشیدہ تھا۔ لہذا کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے آپ کو پایا تب ہی اس کو پاسکا۔ اس طرح اب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ میں حقیقت سے کتنا دور تھا۔

شعرنمبر۳:۔ آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم　　یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

تفہیم الفاظ:۔ آتش۔آگ۔نار+بلند۔اُونچا۔برتر۔عالی+کلیم۔کلام کرنے والا۔حضرت موسیٰ کا لقب+یک۔ایک۔اکیلا+شعلہ۔ روشنی۔آنچ۔آگ کی لپٹ+برق۔بجلی۔تیز۔چمکیلا+خرمن۔انبار۔کھلیان+صد۔(۱۰۰) سو۔کثرت+کوہ طور۔فلسطین کے ایک پہاڑ کا نام

تشریح:۔ اس شعر میں میرؔ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعلق تلمیح کو بیاں کیا ہے۔جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دیدار کی درخواست کی تھی مگر اللہ نے اس کے جواب میں'' لَن تَرَانِی ''فرمایا۔ کیونکہ اللہ کو اس بات کا علم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود اشتیاق تاب دید ادنہیں لاسکتے۔ کیونکہ خدا کی معرفت کا ذریعہ صرف عشق ہے۔ اور عشق کا لازمی نتیجہ جنون ہوتا ہے۔ جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس وقت تک پختگی نہیں آتی ہے۔ اسی لئے میرؔ موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں۔کہ ابھی تیرے

دل میں عشق کی آگ میں پختگی نہیں آئی ہے ورنہ اے کلیم اگر ایک تجلی کے بدلے سینکڑوں تجلیاں بھی ہوتیں تو ان کو برداشت کرنے کے لئے ایک کوہ طور کے بدلے صدہا طور پیدا ہو جاتے۔

شعر نمبر۴: کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا یکسر وہ استخواں شکستوں سے چُور تھا

تفہیم الفاظ:۔ کاسۂ سر۔سر کا پیالہ۔کھوپڑی+آ گیا۔ نیچے آیا۔ پڑا۔چُور تھا+یکسر۔بالکل۔تمام۔مکمل+استخواں۔ہڈیاں+شکستہ۔ ٹوٹا ہوا۔خراب۔گرا ہوا+ چور ہو جانا۔ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہونا

تشریح:۔ میر تقی میرؔ دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر فرماتے ہیں کہ کل چلتے چلتے میرا پاؤں ایک مرے ہوئے انسان کے سر کی کھوپڑی پر آ پڑا۔ چنانچہ سر کی کھوپڑی کی تمام ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں اس لئے میرا پاؤں پڑتے ہی وہ تمام ہڈیاں چُور چُور ہو گئیں۔

شعر نمبر۵: کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھو کسی کا سر پُرغرور تھا۔

تفہیم الفاظ:۔ دیکھ کر چلنا+سوچ سمجھ کر چلنا+راہ۔راستہ+ بے خبر۔غافل+کبھو۔کبھی+غرور۔گھمنڈ

تشریح:۔ میرؔ کہتے ہیں کہ جونہی اس کھوپڑی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں تو ایک آواز آئی اور کہا اے غافل اور بے شعور انسان راستے کو دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر چلنا چاہئے یوں تکبر اور گھمنڈ سے چلنا دانائی نہیں۔ کیونکہ ایک وقت میں بھی ایک انسان کے جسم پر گھمنڈ سے تنی ہوئی تھی۔ میں بھی چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور جیتا جاگتا انسان تھا مگر آج میری یہ حالت دیکھ کر آپ کو عبرت حاصل کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ آپ کا حشر بھی ایک دن ایسا ہی ہونے والا ہے۔

شعر نمبر۶: تھا وہ تو رشکِ حُورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

تفہیم الفاظ: رشک=حسد، جلن+حُور=نہایت خوبصورت، شکیل+بہشتی=جنتی، جنت میں رہنے والا+ہمیں میں=ہم ہی، کا ،اپنی ذات میں+فہم=سمجھ، عقل+قصور=خطا، غلطی۔

تشریح: اس شعر میں میر تقی میرؔ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے میرؔ میرا محبوب جس پر جنت کی حوریں رشک کرتی ہیں مجھ میں ہی بسا ہوا تھا مگر اپنی کم عقلی کے سبب میں اُس کو پہچان نہ سکا۔ کیونکہ ''یار'' کو بے پردہ دیکھنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو دیکھنا لازمی اور جب انسان اپنے آپ کو دیکھے گا تو اس وقت اُسے یہ حقیقت معلوم ہو گی کہ میں تو اسی کو دیکھ رہا ہوں اور اس مشاہدے کی طاقت ایک عاشق میں صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے عقل سے نہیں۔

سوال نمبر۱:۔ شاعر نے دل ستم زدہ کو کیوں تھام لیا؟

جواب: جب شاعر کے سامنے کوئی اس کے معشوق کا نام لیتا ہے یعنی اُس کی تعریفیں کرتا ہے شاعر اپنے دل کو تھام لیتا ہے جو اسی محبوب کی ستم آزاریوں سے پہلے ہی زخمی ہوا ہے۔ دوسری طرف رشک سے یہی دل گھلا جاتا ہے کہ یہ میرا رقیب بن گیا ہے اور دل پسند نہیں کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اس کے محبوب کو چاہئے اس لئے بہت مشکل سے اپنے دل **کو تھام لیتا ہے۔**

سوال نمبر۲: دونوں غزلوں میں سے ایسا شعر تلاش کیجئے جس میان شاعرانہ تعلّی موجود ہو؟

جواب: پہلی غزل میں جو مقطع کا شعر ہے اس میں شاعرانہ تعلّی موجود ہے۔

اگر چہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ پہ میرے شعر نے روئے زمین تمام لیا۔

سوال نمبر۳: سرکی کھوپڑی نے کون سی پتّے کی بات بتائی؟

جواب: سرکی کھوپڑی نے دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کی بات بتائی جب اُس کی بوسیدہ ہڈیوں پر کسی کا پاؤں پڑ گیا اور وہ ریزہ ریزہ ہوکر چلا اُٹھی کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب میں ایک انسان کے سر پر گھمنڈ بنی ہوئی تھی۔ میں بھی چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور جیتا جاگتا انسان تھا مگر آج میری یہ حالت دیکھ کر ہر ایک انسان کو عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ کبھی کسی وقت اس کا حشر بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے۔

سوال نمبر۴: دوسری غزل کے تیسرے شعر میں حضرت موسیٰؑ سے متعلق تلمیح کو بیان کیجئے؟

جواب: کوہ طور فلسطین کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس پر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ اسی پہاڑ پر اُنھوں نے خدا کا جلوہ بھی دیکھا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ موسیٰؑ کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ تم کوہ طور پر جا کر تیس دن تک ہماری عبادت کرو۔ اس کے بعد ہم تمہیں ''توریت'' نام کی ایک آسمانی کتاب عنایت کریں گے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے وہ کوہ طور پر گئے اور اپنی اُمت بنی اسرائیل کو خوب سمجھا کر ہدایت کر گئے کہ میرے پیچھے تم پھر گمراہ مت ہوجانا۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام ہوتے تھے اسی وجہ سے ان کا لقب ''کلیم اللہ'' ہے۔ یعنی اللہ سے بات کرنے والا۔ بات چیت کا یہ سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا۔ ایک روز حضرت موسیٰؑ کے جی میں آیا کہ میں اللہ کا دیدار بھی کروں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ''رَبِّ اَرِنِی''، یعنی اے رب تو مجھے اپنا جلوہ دکھادے۔ خدا کی طرف جواب ملا۔ ''لَن تَرَانِی''، یعنی تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ حضرت موسیٰؑ خدا کا جلوہ دیکھنے کے لئے بار بار اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کی ضد پر اللہ نے فرمایا کہ اگر تم جلوہ ہی دیکھنا چاہتے ہو تو سامنے کے پہاڑ پر نظر کرو اگر وہ پہاڑ جس کا نام طور سینا ہے اپنی جگہ پر قائم رہا تو سمجھ لینا کہ تم مجھے دیکھ سکو گے ورنہ نہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں تجلّی نورِ الٰہی جلوہ گر ہوئی پہاڑ جل کر راکھ ہوگیا اور حضرت موسیٰؑ اس تجلی کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہوگئے۔ کافی دیر بعد جب ہوش آیا تو اللہ سے اپنی گستاخی کی معافی مانگی اور آئندہ کے لئے توبہ کی۔

سوال نمبر۵: صنعت تلمیح کی تعریف لکھئے اور مثالیں دیجئے؟

جواب: کسی شعر میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ تلمیح کے الفاظ بظاہر مختصر ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے پیچھے وہ پورا قصہ ہوتا ہے۔ جس کی طرف شاعر اشارہ کرنا چاہتا ہے۔ اس پورے قصے کو جانے بغیر نہ تو شعر کا مطلب بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ اور نہ ہی شعر کے اندر لائی گئی صنعت تلمیح کا پورا پورا لطف اُٹھایا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ شعر تلمیحی شعر ہے۔

؎ نارِ نمرود کو کیا گلزار دوست کو یوں بچا دیا تو نے (داغؔ) یا یہ شعر دیکھئے

؎ اڑ کے بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی۔ (اقبالؔ)

سوال نمبر۶: صنعت تعلّی کی تعریف لکھئے اور مثالیں دیجئے؟

جواب: صنعت تعلّی وہ صنعت ہے جس میں شاعر اپنی شاعری کے سلسلہ میں مبالغہ سے کام لیتا ہے اس سلسلے میں ہمارے بعض شعراء نے اپنی تعریف، اپنی شاعری کی تعریف کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر کی ہے کہ بار گران گزرتی ہے میرؔ۔ غالب اور بعض شعرا بھی اس عیب کا شکار ہوئے ہیں جیسے غالبؔ کا یہ شعر دیکھئے ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور۔

ان شعروں کی وضاحت کریں؟

I آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا۔

II تھا وہ رشک حور بہشتی ہمیں میں میرؔ سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا۔

III ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا۔

جواب: ان شعروں کی وضاحت آپ صفحہ نمبر ۱۵، ۱۷ اور ۱۸ پر دیکھ سکتے ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتش

خواجہ حیدر علی نام اور آتشؔ تخلص فرماتے تھے۔ آپ فیض آباد کے ایک معزز گھرانے میں ۱۷۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ باپ کا سایہ کم عمری میں سر سے اُٹھ گیا۔ اس وجہ سے مروجہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ مزاج میں شوریدہ سری اور بانکپن پیدا ہو گیا۔ آپ لکھنو آئے اور مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں کثرت مشق اور افتادہ طبع کی بدولت اُستاد کے ہم پلہ ہو گئے۔ آتش کے مزاج میں ایک فقیرانہ انداز آ گیا اور طبیعت فقر و فاقہ کی طرف مائل ہوئی۔ ساری عمر توکل اور قناعت کی راہ سے قدم نہیں اُٹھایا۔ آخری عمر میں اُن کی بینائی بھی چلی گئی آخر ۷۰ سال کی عمر میں ۱۸۴۷ء میں لکھنو میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ آتش اردو غزل کے بہت بڑے محسن ہیں۔ آتشؔ کے کلام کی جملہ خوبیاں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ وہ لکھنؤ اسکول کے ممتاز ترین غزل گو شاعر تھے۔ اُن کا کلام دو دیوانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ آتش کے یہاں تصوف کی چاشنی اس مزے اور آزادی کے ساتھ ہے۔ اگر ان کو اردو زبان کا حافظ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ فقیرانہ اور آزادانہ رنگ آتش کو انفرادی حیثیت دے کر دوسرے شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ اور ان کے شعروں میں جان پیدا کرتا ہے۔ آتشؔ اپنے کلام میں جہاں کہیں کیف و مردانگی و خودداری کے جذبات قلم بند کرتے ہیں۔ وہاں اُن کی امتیازی خصوصیت ان کو اردو کے بہترین شعراء کی صف میں جگہ دلاتی ہے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت ہے جن میں مرزا شوقؔ اور دیا شنکر نسیمؔ خاص ہے۔

غزل نمبر ۱

شعر نمبر ۱: دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: دہن = دہان کا مخفف، منہ، مکھ + گماں = شک وشبہ، وہم، خیال + کلام = سخن، بات، گفتگو + درمیان = بیچ، وسطہ، اندر + کیسے کیسے = کس قسم کے، کس قدر۔

تشریح: اس شعر میں آتش فرماتے ہیں کہ شاید میرے محبوب کو میری محبت اور چاہت پر شک ہے کیونکہ جب بھی وہ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو بہت ساری باتیں شک اور گمان سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کہتے کچھ اور ہے سوچتے کچھ اور ہے۔

شعر نمبر ۲: زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: چمن = سبز کیاریاں، چھوٹا سا باغیچہ + گل کھلنا = فساد ہونا، انوکھا کام واقعہ ہونا + رنگ بدلنا = رنگ اُڑنا، خفا ہونا، بگڑنا + آسماں = فلک، آکاش + زمین = دنیا، دھرتی۔

تشریح: اس شعر میں آتش دن رات کے تغیر کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آئے دن یہ دنیا نئے حالات سے دوچار ہوتی ہے اور نئے نئے واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آسمان بھی نت نئے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ یعنی دن رات نئے انقلاب ظہور میں آتے ہیں کسی چیز کو یہاں قرار نہیں ہے۔ انسان کی قسمت میں کیا لکھا ہے وہ ان باتوں سے بے خبر ہے۔

شعر نمبر ۳: نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے ناميوں کے نشان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: گور = قبر، مزار، مقبرہ + سکندر = مشہور یونانی بادشاہ کا نام جس نے دنیا کو فتح کرنا چاہا تھا + قبر = وہ گڑھا جس میں مردے کو دفن کرتے ہیں + دارا = ایران کے ایک مشہور بادشاہ کا نام جو سکندر کے ساتھ لڑ کر مارا گیا + نامی = نامدار، مشہور، نام دار + نشان = آثار، علامت، ٹھکانا۔

تشریح: اس شعر میں شاعر اس دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی شے کو ثبات نہیں ہے۔ سکندر اور دارا جیسے شاہنشاہ طاقت ور اور باوقار حکمران گذرے ہیں۔ جنہوں نے ہر ملک کو فتح کیا اور پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہی مگر آج ان کی قبر تک کا نام ونشان موجود نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں بڑے بڑے نامور اور طاقت ور جابر حکمران زندہ نہیں رہے کیونکہ یہ دنیا ناپائدار ہے۔

شعر نمبر ۴: دل ودیدہ اہل عالم میں گھر ہے تمھارے لئے ہیں مکان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: دل ودیدہ = قلب ونظر، جگر اور آنکھیں + اہل عالم = دنیا کے لوگ، ہر ایک شخص + گھر = جگہ، ٹھکانہ، مسکن + مکان = رہنے کی جگہ، گھر + کیسے کیسے = کس کس طرح کے، کتنے۔

تشریح: اس شعر میں آتش کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی خوبصورتی، دلربائی اور حُسن مشہور عالم ہے اس کی رعنائی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ پوری دنیا اس کی شیدائی ہے۔ ہر کسی نے اس کو اپنے دل وجگر میں بسایا ہے۔ سبوں نے اس کی خاطر آنکھیں فرش راہ کی ہیں۔ یعنی میرا محبوب ہر ایک کے دل اور آنکھ میں بسا ہوا ہے واقعی اس کے رہنے کے لئے کیسے کیسے مکان ہے۔

شعرنمبر۵: غم وغصہ ورنج واندوہ وحرمان ہمارے بھی ہیں مہربان کیسے کیسے

تفہیم الفاظ: غم وغصہ= دکھ ودرد،، وہ رنج جس سے گلا گھٹ جائے +حرماں =محروم، یاس، نا اُمیدی+ رنج= ملال، افسوس، سوگ+ اندوہ گین=غم گین، رنجیدہ+مہربان = رفیق، محبت کرنے والا

تشریح: آتش اس شعر میں فرماتے ہیں کہ رنج وغم، پریشانی، نا امیدی اور مایوسی کے سوا مجھے زندگی میں کچھ نہیں ملا۔اور ساری عمر رنج وغم اور مصیبت و پریشانی میرے ساتھ میرے ہمدم بن کر رہے۔ یہ سب میرے کرم فرما اور مہربان رہ چکے ہیں اور مجھے کبھی بھی سکھ اور چین سے رہنے نہ دیا۔

سوال نمبر۱: اس غزل میں اُس شعر کی نشاندہی کیجئے جس میں انسان کی بے ثباتی کا ذکر ہے؟

جواب: نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

سوال نمبر۲: شاعر نے غم وغصّہ۔رنج واندوہ کو اپنے مہربانوں میں کیوں شمار کیا ہے؟

جواب: شاعر نے غم وغصہ اور رنج واندوہ کو اس لئے اپنے مہربانوں میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ہمیشہ شاعر کے ساتھ رہتی تھیں۔اس طرح ساری زندگی غموں سے پُر تھی۔جس چیز کی تمنا کی اور وہ مِل نہ سکی۔ ہر ایک شخص نے شاعر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ساری زندگی یاس اور قنوطیت میں گذری صرف عمر بھر غموں نے ساتھ دیا یعنی مہربان بنے۔

سوال نمبر۳: تشریح کیجئے:

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

جواب: اس شعر میں آتش دنیا کی بے ثباتی یعنی ناپائداری کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ یہ دنیا فانی ہے اور مٹ جانے والی ہے۔ یہاں بڑے بڑے بہادر اور امیر لوگ آئے اور چلے گئے۔لیکن آج ان کے نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔آج نہ سکندر اعظم یونان کا عظیم بادشاہ جس نے ساری دنیا فتح کرنے کا خواب دیکھا تھا اس کی قبر نظر نہیں آرہی ہے۔اور نہ دارا (ایران کا بادشاہ جسے سکندر نے شکست دی تھی) کی قبر کہیں موجود ہے۔ کیونکہ بے رحم گردش ایام نے بڑے بڑے نامور لوگوں اور بادشاہوں کے نام ونشان مٹا دیئے ہیں۔

سوال: مندرجہ بالا شعر میں جو دو تلمیحات کا ذکر آیا ہے اُن کا مختصر تذکرہ کیجئے۔

جواب: یہاں اردو زبان کی دو مشہور تلمیحات اور اُن کے پس منظر کو بیاں کیا گیا ہے جن کا ذکر اس شعر میں آیا ہے یعنی سکندر اور دارا۔

(۱) سکندر (ذوالقرنین):۔ایک زبردست اور قدیم بادشاہ کا لقب ہے۔لوگوں کا خیال ہے کہ شاید سکندر اعظم کا لقب ہوگا مگر اس میں اختلاف ہے۔ذوالقرنین اس کا لقب اس لئے تھا۔کہ وہ دو گیسو رکھتا تھا (قرن بمعنی گیسو) دوسرا مفہوم یہ ہے دنیا کے دونوں سمتوں یعنی مشرق مغرب کے دور دراز ملکوں میں پہنچا تھا یا یہ کہ نور وظلمت دونوں میں وہ داخل ہوا تھا یہ سکندر اعظم سے پہلے سام

بن نوحؑ کی نسل سے تھا۔ خضرؑ اس کے مشیر تھے اس نے یاجوج ماجوج سے بچنے کے لئے لوہے کی دیوار بنوائی جس کا تذکرہ قران پاک میں درج ہے۔

(۲) سکندر اعظم (۳۵۶۔۳۲۳ ق م) روم کے ایک بڑے بادشاہ کا نام جس نے دنیا کے بہت سے ممالک فتح کئے۔ ہندوستان میں پورس بادشاہ سے بھی جنگ کی تھی اپنے والد فلپ دوم قتل کے بعد مقدونیہ (روم) کے تخت پر بیٹھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ سکندر ذولقرنین دوسرا سکندر تھا۔

(۳) دارا: ۔فارس کے ایک بادشاہ کا نام جس سے سکندر لڑا تھا۔ یوں بھی وہاں کے ہر بادشاہ کو ''دارا'' کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اشارہ خداوند تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اس لئے کہ ''دارا'' بمعنی ''رکھنے والا''۔

پہلے خود دارا تو مانند سکندر ہو لے　　پھر جہاں میں ہوس شوکت دارائی کر (اقبال)

شادؔ عظیم آبادی پر ایک مختصر نوٹ

شادؔ کے والد سید عباس مرزا چودہ پندرہ سال کی عمر میں ضلع آلہ آباد سے عظیم آباد چلے گئے ہیں۔ جہاں شادؔ کی ولادت ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔ شادؔ کی تعلیم کا سلسلہ چار برس کی عمر سے شروع ہو گیا تھا کئی ایک مولویوں نے ابتدائی کتابیں پڑھائی لیکن تربیت سرسید مرحوم کے ذمہ تھی جو اُردو زبان کے بہت بڑے محقق تھے۔ ان ہی کی تربیت کا اثر تھا۔ جس نے آیندہ چل کر شادؔ کی زبان کو اس قدر فصیح و بلیغ کر دیا تھا کہ وہ اپنے وقت کے میرؔ سمجھے گئے۔ شادؔ کی ہمہ گیر طبیعت نے ان کو محض اسلامی علوم پر اکتفا نہ کرنے دیا۔ بلکہ عیسائیوں کے عہد نامہ جات عتیق وجدید پارسیوں کی زند پاژند اور ہندوؤں کی رامائن و گیتا وغیرہ کا مطالعہ کرنے کا بھی موقع دیا۔ شادؔ نے اپنی ساری عمر اُردو ادب کی خدمت میں گذاری۔ کئی ایک تصنیفات یادگار ہیں۔ حکومت وقت نے آپ کو ۱۸۹۱ء میں ''خان بہادُر'' کا خطاب عطا کیا۔ سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا رہا۔ شادؔ عظیم آبادی نے ۱۹۲۷ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔

شعر نمبر ۱: تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں　　کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

تفہیم الفاظ: تمناؤں، آرزوں۔ خواہشات، الجھانا، پھنسانا، پریشانی میں ڈالنا + کھلونے = نازک اور دکھاوے کی چیز۔ بچوں کے کھیلنے کی چیز، بہلانا۔ دھوکا دینا۔ کھیل میں لگانا۔

تشریح: شادؔ اس شعر میں فرماتے ہیں کہ جس طرح بچے کو کھلونے دے کر بہلایا یا پھسلایا جاتا ہے۔ ایسا ہی میرے ساتھ بھی کیا گیا ہے پہلے تو اس دنیا میں بھیجا گیا پھر یہاں بھیج کر خواہشات اور آرزوں کے جال میں اُلجھا دیا گیا جن کو حاصل کرنے میں زندگی بیت جاتی ہے۔

شعر نمبر ۲: ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ　　اُدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں۔

تفہیم الفاظ: کوچہ۔ گلی، چھوٹی سڑک + ذرہ = چھوٹی سی چیز۔ معمولی چیز + آگاہ = واقف، معلومیت + مدت = وقت، زمانہ، عرصہ =

آیا گیا= آمد و رفت، آنا جانا، آنے جانے والا، مہمان۔

تشریح: شاد عظیم آبادی اس شعر میں کہتے ہیں میں عشق کے راستے سے واقف ہوں اور اس کے ہر ذرے ذرے کی جانکاری رکھتا ہوں۔ کیونکہ میں نے عرصہ دراز سے اس راستے کو اپنایا ہے یعنی میرا آنا جانا اس راستے سے بہت عرصے سے جاری ہے لہذا اس راستے کے ہر موڑ سے واقف ہوں۔

شعر نمبر۳: دل مضطر سے پوچھا اے رونق بزم میں خود آیا نہیں، لایا گیا ہوں۔

تفہیم الفاظ: دل مضطر= بے قرار دل، بے چین دل + رونق= سجاوٹ، زیبائش + بزم= محفل، مجلس

تشریح: شاد عظیم آبادی اس شعر میں فرماتے ہیں۔ کہ جب میں اپنے معشوق کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو وہاں مجھے کہا گیا کہ بغیر بلاوے یہاں کیسے آ گئے ہو۔ تو میں بے کہا کہ اے اس محفل کو شان و شوکت بخشنے والے جان محفل ذرا میرے بے قرار دل سے پوچھ کے سُن کہ میں یہاں از خود نہیں آیا ہوں بلکہ مجھے یا قاعدہ اس محفل میں بلایا گیا ہے۔ یعنی کسی کی یاد کشش اور طلب نے مجھے یہاں کھینچ لایا ہے۔ یعنی اس دنیا میں انسان خود نہیں آتا ہے بلکہ اُس کو لایا جاتا ہے۔

شعر نمبر۴:۔ نہ تھا میں معتقد اعجاز مے کا بڑی مشکل سے منوایا گیا ہوں

تفہیم الفاظ: معتقد = اعتقاد رکھنے والا -یقین اور اعتماد رکھنے والا + اعجاز = معجزہ ۔کرامت + مے= بادہ-شراب + اعجاز مے= شراب کے کرشمے-شراب کے فائدے + منوانا= تسلیم کرانا-منظور کرانا

تشریح:۔ اس شعر میں شاد عظیم آبادی کہتے ہیں۔ کہ پہلے پہل میں شراب کے کرشموں سے واقف نہیں تھا۔ نہ اس کا اعتقاد تھا۔ یعنی اس کی مدہوشی اور سرمستی کی مجھے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ لیکن جب محبوب کی جدائی اور اس کی یاد کو فراموش کرنے کے لئے مجھے اس کا سہارا لینے کی تلقین کی گئی اور شراب پی کر مست ہوا تب اس کی کرامت اور اعجاز کا قائل ہونا پڑا۔ کیونکہ شراب نے آخر کار میرے دل کو بہلایا اور محبوب کی یاد اور جدائی کا غم فراموش کرنے کا موجب بن گیا۔

شعر نمبر۵:۔ کُجا میں اور کُجا اے شاد دنیا کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

تفہیم الفاظ: کجا= کہاں- کیوں- کیسے + شاد= خوش و خرم- ایک شاعر علی محمد کا تخلص +

تشریح:۔ اس شعر میں شاد عظیم آبادی اپنے آپ سے مخاطب ہو کر دراصل ابن آدم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے نبی آدم دنیا کے سامنے تیری حیثیت ہی کیا ہے کہاں یہ دنیا اور کہاں تیرا وجود۔ اس دنیا میں لاتعداد مسائل اور الجھنیں انسان کو گھیرے میں لیتی ہیں۔ اس سے پہلے تیرا مسکن جنت تھا وہاں نہ کوئی الجھن تھی اور نہ کوئی پریشانی تھی۔ اب یہ تمہاری اپنی غلطی کی سزا ہے کہ اب میدان عمل میں ڈال کر تجھے دنیاوی الجھنوں میں الجھایا گیا ہے۔

سوال نمبر۱: اس شعر کی وضاحت کیجئے۔ دل مضطر سے پوچھا اے رونق بزم۔ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔

جواب: شاعر اس شعر کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ جب میں اپنے محبوب سے ملنے کے لئے اس کے دربار میں گیا تو وہاں مجھے کہا گیا کہ

بغیر بلاوے آپ یہاں کیسے آ گئے ہو تو میں نے کہا کہ اے شانِ محفل میرے بے قرار اور بے چین دل سے پوچھ کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں یہاں خود نہیں آیا بلکہ مجھے کسی کی یاد، کشش اور تڑپ نے یہاں کھینچ کے لایا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مجھے یہاں بلایا گیا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ان مرکبات کے معنی لکھئے:۔ اعجازے + رونق بزم + دل مضطر

جواب: اعجازے = شراب کا کرشمہ +دل مضطر =بے قرار دل +رونق بزم = محفل کی زیبائش

سوال نمبر۳:۔شاد عظیم آبادی پر مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب: سبق کے شروع میں صفحہ نمبر۲۴ پر دیا گیا ہے۔

اضداد کی مشق

لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد	لفظ	ضد
آباد	ویران	بادشاہ	فقیر	ٹھنڈا	گرم	روشن	تاریک	علم	جہل	موت	حیات
آزادی	غلامی	بد	نیک	تھوڑا	بہت	زاہد	رند	غافل	ہوشیار	موٹا	پتلا
آسان	مشکل	بچپن	جوانی	ثواب	عذاب	زاردار	نادار	غائب	حاضر	نشست	برخاست
آغاز	انجام	بخل	اسراف	جاہل	عالم	زمین	آسمان	غضب	رحم	نفاست	نجاست
آقا	غلام	بڑا	چھوٹا	جدید	قدیم	زن	مرد	غل	خموشی	نفع	نقصان
آمدنی	خرچ	بشاش	غمگین	جلدی	دیر	زندہ	مردہ	فاتح	مفتوح	نیکی	بدی
ابتدا	انتہا	بلند	پست	جلوت	خلوت	زندگی	موت	فراخ	تنگ	واحد	جمع
اپنا	غیر	بنجر	زرخیز	جنت	دوزخ	زہر	تریاق	کافر	مومن	وزن	ہلکا
اتحاد	انتشار	بہار	خزان	جنگ	صلح	سردی	گرمی	کامیاب	ناکام	ہار	جیت
اتفاق	نفاق	بہادر	بزدل	جھوٹ	سچ	سزا	جزا	کبیر	صغیر	ہموار	ناہموار
اجالا	اندھیرا	بھاری	ہلکا	حاکم	محکوم	سستا	مہنگا	کثرت	قلت	ہنسنا	رونا
اچھا	بُرا	بہت	تھوڑا	حرام	حلال	سوال	جواب	کل	جزو	ہوشیار	غافل
ادنٰی	اعلٰی	بہتر	بدتر	حسد	رشک	شادی	غم	گاڑھا	پتلا	یار	اغیار
اصل	نقل	بہشت	دوزخ	خاص	عام	شاہ	گدا	گل	خار	یقین	شک
اقبال	ادبار	بیمار	تندرست	خالق	مخلوق	شرک	توحید	گمنام	مشہور	یگانہ	بے گانہ

اکثریت	اقلیت	بے وقوف	عقل مند	خشک	تر	صاف	گندہ	گناہگار	بے گناہ	ایمان	کفر
اگلا	پچھلا	پختہ	خام	خفیہ	علانیہ	صبح	شام	گورا	کالا	اقرار	انکار
امانت	خیانت	پرانا	نیا	خوشی	غم	صحیح	غلط	لاغر	توانا	پیری	جوانی
اندر	باہر	پکا	کچا	دانا	نادان	طاق	جفت	لیس	دین	پستی	بلندی
انسان	حیوان	پیار	دشمنی	درآمد	برآمد	طاقتور	کمزور	مالک	مملوک	خیر	شر
انعام	سزا	پیچھے	آگے	دنیا	آخرت	طبیب	مریض	متحد	منتشر	سخی	بخیل
امید	یاس	پیدائش	موت	دور	نزدیک	ظاہر	باطن	محبت	نفرت	طلوع	غروب
امیر	غریب	تاریک	روشن	دھوپ	چھاؤں	ظلم	عدل	مرد	عورت	محتاج	غنی
اول	آخر	تحریر	تقریر	راحت	رنج	ظلمت	نور	مشرق	مغرب	مبارک	منحوس
اونچا	نیچا	تلخ	شرین	رحمت	زحمت	عارضی	مستقل	مسرور	مغموم	نظم	نثر
ایماندار	بے ایمان	تنگ	کشادہ	روز	شب	عروج	زوال	مفید	مضر	ہستی	نیستی

ناول پر ایک مختصر نوٹ

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اور اس کے معنی نئی اور انوکھی چیز کے ہیں۔ ''ناول'' اطالوی زبان کے لفظ ''نوویلا'' سے ماخوذ ہے۔ یہ لفظ پہلے کہانیوں اور خبروں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں اسے وسیع معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔

ناول دراصل وہ نثری قصّہ ہے۔ جس میں ایک خاص نقطہ نظر کے تحت زندگی کے حقائق اور واقعات کی عکاسی کی جاتی ہے۔ ناول میں فلسفہ زندگی کی جھلک ہوتی ہے۔ اور ہر ناول ایک نئے ذہنی سفر کا آغاز اور فطرت انسانی سے پردہ اُٹھانے کی کوشش ہوتی ہے۔ ناول کے لئے پختہ شعور اور عمدہ ذوق کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک حکیمانہ اور فلسفیانہ کام ہے۔ ناول اور افسانے کی تکنیک اور خصوصیات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ افسانہ ایک پہلو اور ناوَل کئی پہلوؤں پر بحث کرتا ہے۔ اسی طرح ناول اور داستان میں بھی فرق ہے۔ داستان بغیر پلاٹ کے بھی ہوسکتی ہے۔ مگر ناول کا باقاعدہ پلاٹ ہوتا ہے۔ داستان کے کردار مافوق الفطرت والے کردار ہوتے ہیں۔ جبکہ ناوَل میں صرف انسانی کردار ہوتے ہیں۔ داستان کی زبان رنگین، مشکل اور مصنوعی ہوتی ہے۔ ناول کی زبان عام فہم اور سادہ ہوتی ہے۔ ناول کے اجزائے ترکیبی میں کہانی، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ، زمان و مکان، جذبات نگاری، منظر نگاری، زبان اور فلسفہ حیات پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا ہے۔ جس طرح انگریزی ادب میں رچرڈسن کو ناول کا مُوجد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اُردو ادب میں ڈپٹی نذیر احمد کی کہانیوں کو ناول کے اولین نمونے کہا جاسکتا ہے پھر سرشارؔ، شررؔ، مرزا رسواؔ۔ راشید الخیریؔ اور پریم چندؔ اردو کے سب سے بڑے ناول نگار ہیں۔ ناول مندرجہ ذیل اقسام کے ہوتے ہیں۔ (ا) کرداری ناول (ب) ڈرامائی ناول (ج) مہماتی ناول (د) تاریخی ناول

(ہ)واقعاتی ناول (و)نظریاتی ناول (ز)جاسوسی ناول (ح)اصلاحی ناول۔

مولانا ڈپٹی نذیر احمد کے حالات زندگی

نذیر احمد ریاست اُتر پردیش کے ضلع بجنور کے قصّبہ رہڑ میں ۶ دسمبر ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے ۱۸۴۸ء میں دلی کالج میں داخلہ لیا وہاں آپ کا وظیفہ بھی مقرر ہوا۔۱۴ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہوا۔اور آپ گجرات کے ایک مدرسہ میں چالیس روپیہ ماہوار پر مُدرس مقرر ہوئے۔وہاں سے کانپور ڈپٹی انسپکٹر مدارس تعینات ہوئے۔یہاں انگریزی زبان کی مہارت خوب حاصل کی۔تعزیرات ہند کا ترجمہ اُردو زبان میں اس قابلیت سے کیا کہ گورنر صوبہ نے آپ کو کانپور کا تحصیلدار مقرر کیا۔اس کے بعد دوسری کتابوں کے ترجمے نہایت خوبی سے کئے اور ۱۸۸۴ء میں ڈپٹی کلکٹر بن گئے۔سالار جنگ کی وفات کے بعد دہلی آ گئے اور اعلیٰ خدمات انجام دیتے رہے۔متعدد اُردو تصانیف کے صلہ میں نقد انعامات سے نوازا گیا۔۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں ایڈن برگ نے ایل۔ایل۔بی اور دوسری یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگریاں دیں۔آخری عمر میں صحت خراب ہوگئی اور ہاتھ میں رعشہ آ گیا۔پھر ۱۹۱۲ء میں انتقال کیا۔آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔مراۃ العروس۔توبتہ النصوح۔نبات النعش۔ابن الوقت۔تعزیرات ہند۔قانون فوجداری اور انکم ٹیکس وغیرہ وغیرہ۔

مولانا ڈپٹی نذیر احمد کے ادبی کارنامے پر ایک مختصر نوٹ

نذیر احمد ۱۸۳۶ء میں بجنور میں پیدا ہوئے۔دہلی کالج میں تعلیم پائی اور دہلی کو ہی اپنا وطن بنا لیا۔اور یہیں ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔انہوں نے اردو ناول کو مہذب اور سنجیدہ رنگ میں پیش کیا۔ان کا پایہ اردو نثر میں بہت بلند ہے اور ان کا شمار آج بھی چوٹی کے نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔مولوی نذیر احمد اردو کے پہلے ناول نگار ہیں۔ان کے تمام ناول اصلاحی و معاشرتی ہیں۔مراۃ العروس'' ان کا پہلا ناول ہے۔اس ناول میں عورتوں کے خیالات کو ہو بہو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ یہ خوبی کسی دوسرے مصنف کو نصیب نہیں ہوئی ان کی تحریر میں بے تکلفی اور بے ساختہ پن بہت ہے وہ تشبیہ اور استعارے سے بہت کم کام لیتے ہیں۔نذیر احمد کا بڑا کام اصلاحِ معاشرت ہے جس کا خیال انہوں نے اپنی ناولوں میں رکھا ہے۔انہوں نے اسلامی سوسائٹی اور خاص کر مسلمانوں کے خاندانوں کی اندرونی معاشرت کی تصویر ایسی بے لاگ کھینچی ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ پھر جاتا ہے۔روزمرہ معمولی واقعات گھروں میں واقع ہوتے ہیں ان کا خوبی سے بیان کرنا ان کا خاص حصہ ہے۔

اور مزاج دار لٹ گئی

سوال نمبر۱: لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے جن کونسی چیزیں اپنے پاس رکھتی تھی؟

جواب: لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے جن طرح طرح اقسام کے تبرکات اور ضرورت کی مناسب قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھتی تھی جن میں

خاص کر تسبیح۔ خاک شفا۔ مدینہ منورہ کی کھجوریں۔ زمزمیاں۔ کوہ طور کا سرمہ۔ خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا۔ عقیق البحر۔ مونگے کے انے۔ نادعلی۔ پنج سورے اور بہت سی دوائیاں ہوتی تھی۔

سوال نمبر۲: جن نے مزاج دار سے قیمت لئے بغیر اسکو فیروزے کی انگوٹھی کیوں دی؟

جواب: جن کو جب مزاج دار کی باتوں سے احساس ہوا کہ یہ عورت یعنی مزاج دار جلد ہی جال میں پھنسنے والی ہے اسی لئے قیمت لئے بغیر مُفت میں فیروزے کی انگوٹھی اُسکو دے دی۔

سوال نمبر۳: ''مزاج دار'' بہو کو بے وقوف بنانے کے لئے جن نے کیا کیا؟

جواب: مزاج دار بہو کو بے وقوف بنانے کے لئے جن نے بہو کو ایک پیسہ میں بہت سا کوہ طور کا سرمہ، دو آنے میں نادعلی، چار آنے میں دو روپیہ کا ریشمی کمر بند اور اور بغیر قیمت لئے مفت میں فیروزے کی انگوٹھی دی۔ اس کے علاوہ میاں بیوی میں محبت بڑھنے کے لئے دو لونگیں بھی ویں۔

سوال نمبر۴: محمد عاقل جن کی چال کیوں نہ سمجھ سکا؟

جواب: محمد عاقل نے جب دیکھا کہ قیمتی چیزیں بہت ہی سستے داموں میں مل رہی ہے تو لالچ کی وجہ سے اُس کی عقل پر پردہ پڑ گیا اس لئے وہ جن کی چال کو نہ سمجھ سکا۔

سوال نمبر۵: جن مزاج دار کے زیورات لوٹ لینے میں کس طرح کامیاب ہوگئی؟

جواب: جن نے اپنی چالبازی سے مزاج دار کے دل میں اپنی جگہ بنالی تھی اور اس کا بھروسہ اور اعتماد حاصل کیا تھا لہازہ جوں ہی اس نے مزاج دار کے زیورات دیکھ لئے تو مزاج دار سے کہا بیٹی آپ تو بڑی بے پرواہ ہو۔ جگنی میں ڈورا کیوں نہیں ڈالوایا ہے اور ان زیورات پر میل لگی ہوئی ہے تمہیں نہیں معلوم کہ میل سونے کو کھا جاتا ہے۔ ان کو صاف کروانا چاہئے۔ پھر ہمدرد بن کر جن زیورات کو صاف کروانے اور جگنی میں ڈوراڈلوانے کے بہانے زیورات اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ اس طرح مزاج دار بہو کو لوٹنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔

۴: درج ذیل بیانات صحیح ہیں یا غلط؟ اپنے جوابات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے پانچ پانچ جملے لکھئے۔

ا:۔ جن مکارہ تھی، ۲:۔ مزاج دار بہو بے وقوف تھی، ۳:۔ محمد عاقل کی عقل کام نہ کرسکی

(ا) جن مکارہ تھی! ہاں یہ صحیح ہے کیونکہ سب سے پہلے وہ عورتوں کو پھنسانے کے لئے ان کی غم خوار بن کر اُن سے باتوں ہی باتوں میں کچھ راز معلوم کرتی تھی۔ وہ سیدھی سادھی عورتوں کو جھوٹی ہمدردی دکھاتی تھی۔ جن اپنا کام نکلوانے کے لئے کچھ چیزیں مفت دیتی تھی۔ وہ عورتون کو پھنسانے کے لئے تعویز وغیرہ بنا کر دیتی تھی۔ وہ ہمیشہ عورتوں کو پھسلانے کے لئے اپنے ساتھ مختلف قسم کے تبرکات رکھتی تھی تاکہ عورتوں کو آسانی سے دھوکا دے سکے۔

(۲) مزاج دار بہو بے وقوف تھی! ہاں یہ صحیح ہے۔ کیونکہ وہ ایک سیدھی سادھی اور اَن پڑھ عورت تھی۔ ہر سُنی سنائی بات پر فوراً یقین کرتی

تھی۔وہ سچ اور جھوٹ کے درمیاں تمیز نہیں کر پاتی تھی۔کیونکہ اُسے اپنے مذسب پر پورا یقین نہیں تھا۔وہ لالچی تھی جس کی وجہ سے لوٹ لی گئی۔

(۳) محمد عاقل کی عقل کام نہ کرسکی! ہاں یہ صحیح ہے۔کیونکہ اُسے لالچ نے اندھا بنا دیا تھا۔بہت سی چیزیں قیمتی ہونے کے باوجود سستے داموں ملنے کی وجہ سے اس کے عقل پر پردہ پڑا۔محمد عاقل نے جب چیزیں دیکھ لی تو بہت خوش ہوا۔جس کی وجہ سے اُس کی عقل کام نہ کرسکی۔محمد عاقل نے گھر میں آ کر پہلی دفعہ دیکھا کہ بغیر کہے بیوی نے پلنگ کی صاف ستھری چادر بدل دی تو عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا۔

سوال نمبر۵: درج ذیل اقتباس کے آخر پر دیئے گئے سوالات کے جوابات لکھئے؟

اقتباس: ''اگلے دن زلفن کو بھیج جن کو بلوایا۔آج مزاج دار بیٹی بنی اور جن کو ماں بنایا۔محمد عاقل نے کہا دیکھو ہوشیار رہنا۔اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں۔لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے کو کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے''۔

سوال نمبر۱: درج بالا اقتباس کس سبق سے ماخوذ ہے۔

جواب: درج بالا اقتباس ہماری درسی کتاب میں درج ''اور مزاج دار لٹ گئی'' سبق سے ماخوذ ہے۔جو ڈپٹی نذیر احمد کی ناول مراۃ العروس سے لیا گیا ہے۔

سوال نمبر۲: زلفن کون تھی؟

جواب: زلفن مزاج دار بہو کی نوکرانی تھی۔

سوال نمبر۳: ان جمع اسموں کے واحد لکھیئے کٹنیاں۔ٹھگنیاں۔

جواب: واحد اسم:۔کٹنی۔ٹھگنی، جمع اسم:۔کٹنیاں۔ٹھگنیاں۔

سوال نمبر۴: دو روپے کا کون سا مال چار آنے میں بک گیا؟

جواب: دو روپے کا ایک ریشمی ایزار بند صرف چار آنے میں بک گیا۔

سوال نمبر۵: محمد عاقل کی عقل پر پردہ کیوں پڑا؟

جواب: محمد عاقل کی عقل پر اس لئے پردہ پڑا۔کیونکہ طمع اور لالچ کی وجہ سے وہ اتنی سیدھی سادھی بات سمجھ ہی نہ سکا کہ دو روپے کی چیز کوئی چار آنے میں بھلا کیوں دے۔

سوال نمبر۶: درج بالا اقتباس کا ماحصل اپنے الفاظ میں لکھیے؟

جواب: اس اقتباس میں مولوی نذیر احمد کہتے ہیں کہ مزاج دار ایک سیدھی سادھی عورت تھی وہ جن کی معتقد بن جاتی ہے اور اگلے روز مزاج دار جن کو بلانے کے لئے زلفن کو بھیجتی ہے۔ وہ جن کو اپنے ساتھ لاتی ہے مزاج دار بڑی آو بھگت سے بٹھاتی ہے۔ خود اُس کی بیٹی بنتی ہے اور جن کو ماں کا درجہ دیتی ہے۔ رات کے وقت محمد عاقل کے ساتھ جن کے بارے میں باتیں ہوتی ہیں۔ محمد عاقل اپنی بیوی کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے ہی روپ میں دلالہ اور ٹھگنیاں گھومتی رہتی ہیں۔ لیکن خود محمد عاقل کو بھی لالچ نے اندھا کر دیا تھا وہ یہ سمجھ ہی نہ سکا کہ دو روپے کا ایزار بند کوئی چار آنے میں بلا وجہ کیوں بیچے گا۔

سوال نمبر۷: دیئے گئے مونث اسموں کے مذکر بنائیے: جن۔ عاقلہ۔ بیٹی

جواب: حاجی (مذکر) جن مونث، عاقل (مذکر) عاقلہ (مونث)، بیٹا (مذکر) بیٹی (مونث)

مندرجہ ذیل جملوں کی وضاحت کیجئے:۔

(ا) زلفن جن کو لوا لائی (ب) مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا (ج) یہ عورت ڈھب پر جلد چڑھ جائے گی (د) روز تم کو دیکھ جایا کروں گی۔

جواب: (ا) اور زلفن جن کو لوا لائی = زلفن جن کو بُلا کر اپنے ساتھ لے آئی۔

(۲) مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا = مزاج دار بہو کو خطرے کا احسان ہوا کچھ ہونے والا ہے۔

(۳) یہ عورت ڈھب پر جلد چڑھ جائے گی = جن یہ جان لیتی ہے۔ کہ یہ عورت یعنی مزاج دار بہو بہت جلد جال میں پھنسنے والی ہے۔

(۴) روز تم کو دیکھ جایا کروں گی = جن مزاج دار بہو سے کہتی ہے کہ میں روزانہ آپ کے پاس آیا کروں گی

۸: ہر ایک کردار کے بارے میں تین تین جملے لکھئے:۔ زلفن۔ جن۔ مزاج دار بہو۔ محمد عاقل۔

زلفن:(ا) زلفن محمد عاقل اور مزاج دار کی نوکرانی تھی **(۲)** وہ ان پڑھ اور سیدھی سادھی عورت تھی **(۳)** وہ بغیر سوچے سمجھے ہر یک کی بات مان لیتی تھی۔

جن:(ا) جن ایک دھوکا باز اور مکار عورت تھی **(۲)** وہ لوگوں کو دھوکا دیتی تھی اور ان پڑھ عورتوں کو فریب سے لوٹتی تھی **(۳)** وہ سیدھے سادھے لوگوں کو دھوکا دینے کے ہیئے اپنے ساتھ بہت سہ چیزیں اور طرح طرح کے تبرکات اپنے پاس رکھتی تھی۔

مزاج دار بہو:(ا) مزاج دار بہو ان پڑھ اور بے وقوف عورت تھی۔ **(۲)** وہ ہر سنی سنائی بات پر فوراً یقین کرتی تھی۔ **(۳)** اُسے اپنے مذہب پر پورا یقین نہیں تھا اس لئے برے بھلے کی تمیز نہیں تھی۔

محمد عاقل:(ا) محمد عاقل مزاج دار بہو کا خاوند تھا۔ **(۲)** لالچ اور بمع نے اس کی عقل پر پردہ ڈالا تھا۔ **(۳)** اپنی کم عقل اور لالچ کی وجہ سے وہ جن کی مکارانہ چال کو سمجھ نہ سکا۔

سوال: اورمزاج دارلٹ گئی'' اقتباس کا خلاصہ لکھئے؟

جواب: ''اورمزاج دارلٹ گئی'' کے عنوان سے جوسبق ہماری اردو درسی کتاب میں شامل ہے وہ ڈپٹی نذیراحمد کی ناول ''مراۃ العروس'' سے لیا گیا ہےاس سبق میں نذیراحمد بتانا چاہتے ہیں کہ دینی اوردنیاوی تعلیم اوراپنے مذہب میں پختہ یقین مردوں اورعورتوں سب کے لئے ضروری ہے۔کیونکہ سماج استحصالی عناصرکوالگ کرنے کے لئے اور ان سے ہوشیار رہنے کے لئے یہی دوہتھیاراہم ہیں۔ اس سبق میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح بہلا پھسلا کرایک ٹھگن مزاج دار بہوکولوٹ لیتی ہے۔مزاج دار بہواوراُس کا خاوندمحمد عاقل اس ناول کے دواہم کردار ہیں۔محمد عاقل اپنی بیوی مزاج دار سے کہتا ہے۔کہ آج کل شہر میں ایک ٹھگنی یعنی دلالہ آئی ہے۔اس نے اپنی مکاری سے کئی گھروں کولوٹ لیا ہےلہذا کسی اجنبی عورت کوگھر میں داخل نہ ہونے دینا۔مزاج دارایک سیدھی سادھی عورت تھی ایک ٹھگن ان کی گلی میں آتی ہے وہ لوگوں کوٹھگنے کے لئے اپنے ساتھ تبرکات جیسی بہت سی چیزیں رکھتی تھی۔جن نام کی اس ٹھگنی نے جب مزاج دار بہوکی گلی میں اپنی دکان چمکائی اوراُس کے اردگردکئی لڑکیاں جمع ہوجاتی ہیں۔تومزاج دارا پنی نوکرانی زلفن سے کہتی ہے کہ جن کوگھر کے اندرلے آؤتاکہ ہم بھی تبرکات کی زیارت کرینگے۔زلفن جن کولے آتی ہے۔مزاج دار بڑی محبت سے جن کو اپنے پاس بٹھاتی ہےاورچیزیں دیکھتی ہے۔سرمہ اورنادعلی خرید لیتی ہے۔باتوں باتوں میں جن جان لیتی ہے کہ یہ عورت بہت جلد جال میں پھنسنے والی ہے۔اس لیئے صرف ایک پیسے میں نادعلی اورسرمہ دیتی ہےاورساتھ میں فیروزے کی ایک انگوٹھی بھی مفت میں دیتی ہے۔اپنی بنائی ہوئی دوچار باتیں سنا کربال بچوں کے بارے میں پوچھتی ہےمزاج دارسرد آہ کھینچ کرکہتی ہے کہ ہماری قسمت میں بچے کہاں لکھے ہیں اورکہتی ہے کہ میراخاوندمجھ سے ہمیشہ ناراض رہتے ہیں۔غرض مزاج دارپہلی ہی ملاقات میں جن کو اپنے گھر کا سارا حال سنادیتی ہے۔جن بڑی چالاک اورمکارعورت تھی گھر کا سارارازمعلوم کرکے رخصت ہوتی ہے۔ دوچاردن کے بعدجن اپنے ساتھ ایک ریشمی کمربندلاکرمزاج دار کے گھر حاضر ہوجاتی ہے۔اورکہتی ہے کہ وہاں محلے میں ایک بیگم رہتی ہے جوزندگی گذارنے کے لئے اپنی چیزیں بیچتی ہے میں ہی اکثراس کی چیزیں بیچتی ہوں۔مزاج دارکودوروپے کا ایزار بندچارآنے میں دیتی ہےوہ خوش ہوتی ہے۔ اورکہتی ہے کہ دوبارہ جوبھی چیزبیچنی ہو پہلے مجھے دکھانا۔وہ کہتی ہے کہ میں ضرور پہلے تجھے دکھایا کروں گی۔پھرجن مزاج دارکودولونگیں بٹوہ سے نکال کردیتی ہےاورکہتی ہے ایک لونگ اپنے بالوں میں رکھنااوردوسری لونگ اپنے خاوند کے تکیے میں رکھنا تاکہ وہ شک نہ کرےاورآج ہی ان کا فائدہ دیکھ لوگی تم دونوں میاں بیوی میں محبت قائم ہوگی میں تمہیں اک تعویز بھی بنا کردوں گی۔شام کوجب مزاج دارکا خاوندمحمد عاقل گھر آتا ہےتومزاج دارُسے سارا ما جراسناتی ہےاوران چیزوں کے بارے میں بتاتی ہے جواُس نے جن سے خریدی تھیں۔محمد عاقل بیوی سے کہتا ہے کہ یہ سبھی چیزیں آپ نے بہت سستی لی ہیں کہاں سے خریدی۔مزاج دارکہتی ہے کہ ایک نیک بخت جن کئی دنوں سے گلی میں آتی ہےاُسی نے کسی بیگم کا یہ ایزار بند بیچنے کے لئے لایا تھا۔پھروہ خاوندکونادعلی۔سرمہ۔فیروزے کی انگوٹھی وغیرہ دکھاتی ہے۔لالچ بُری بھلا ہےاچھاخاصا آدمی بھی دھوکا کھاجاتا ہےاسی طرح محمد عاقل کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔فائدہ دیکھ کرلالچ میں آجاتا ہے بیوی سے کہتا

ہے کہ تم ضرور وہ چیزیں خریدنا۔لیکن خبردار رہنا کہ مال چوری کا نہ ہواور یہ بھی دیکھنا کہ جن کوئی ٹھگنی تو نہیں۔مزاج دار کہتی ہے تو یہ کروایسا کہنے سے۔وہ ایک نیک عورت ہے۔اگلے روز مزاج دار جن کو بُلانے کے لئے زلفن کو بھیجتی ہے۔آج مزاج دار خود بیٹی بنتی ہے اور جن کو ماں کا درجہ دیتی ہے۔جن نے نقلی موتیوں کی ایک جوڑی لائی تھی اور مزاج دار سے کہا کہ یہ بیگم کی ناک کے موتی ہیں۔ہزار پانچ سو کے ہونگے میں پنامل جوہری کو دکھا کر آئی۔اُس نے دوسو روپے دیئے تھے۔میں نے بیگم سے پچاس روپے میں خریدے۔تم یہ موتی لے لو۔پھر ایسا مال نہیں ملے گا۔مزاج دار نے کہا کہ میرے پاس پچاس روپے نہیں ہیں جن نے کہا کہ اپنا دست بند بیچ دو پھر خرید لینا۔نہیں تو آج یہ موتی بک جائیں گے۔جن نے اس انداز سے کہا کہ مزاج دار فوراً زیوروں کا ڈبہ لے آئی اور دست بند نکال کر جن کے حوالے کیا۔جن نے جب مزاج دار کا زیور دیکھا تو اُس سے کہا کہ بیٹی تم بھی بہت لاپرواہ ہو۔جو زیور کو اس طرح گاجر مولی کی طرح رکھتی ہو۔جگنی میں ڈوراڈلوادو، بالی پتے، مرکیاں، بازوبند وغیرہ میلے ہوگئے ہیں۔اور میل سونے کو کھا جاتی ہے۔ان سب کی صفائی کرالو۔مزاج دار نے کہا کہ جب اس سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ فرصت نہیں ہے۔اب کون ڈوراڈلوائے اور کون زیور کو صاف کرائے،۔جن کہتی ہے یہ کونسا مشکل کام ہے۔چلو موتی کو رکھو تم تمام زیور زلفن کو دو اسے میرے ساتھ بھیج دو میں ابھی ڈورا بھی ڈلوادونگی اور صاف بھی کرادوں گی۔مزاج دار سارا زیور زلفن کے حوالے کرتی اور اس کو جن کے ساتھ بھیج دیتی۔گلی سے نکلنے کے بعد جن زلفن سے کہتی ہے کہ ذرا ڈبے کو ادھر لاؤ تا کہ صاف ہونے والے اور ڈورا ڈلوانے والے زیور کو الگ الگ کروں۔زیور الگ کرتے کرتے جن زلفن سے کہتی ہے کہ اس میں ناک کی کیل نہیں ہے۔شاید پاندان کے ڈھکن پر رہ گئی۔تم جلدی جاؤ اور ناک کی کیل لے آؤ۔زلفن دوڑتے دوڑتے گئی اور دروازے پر ہی مزاج دار کو آواز دی کہ ناک کی کیل پاندان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے اُسے جلدی سے دو۔جن گلی کے نکڑ پر دیبا بنئے کی دکان کے آگے میرا انتظار کر رہی ہے۔زلفن نے جب یہ کہا تو مزاج دار بہو کو خطرے کا احساس ہوا اور زلفن سے کہا تم پاگل ہوگئی ہو میرے پاس کوئی کیل نہیں ہے۔بے وقوف جلدی واپس جا کہیں جن چلی نہ جائے۔زلفن الٹے پاؤں دوڑتی ہے لیکن جن کو کہیں نہیں پاتی وہ مزاج دار کے پاس آ کر کہتی ہے کہ جن کا تو کہیں پتہ نہیں۔میں سارا بازار دیکھ کر آئی۔معلوم نہیں کہ وہ کہاں غائب ہوگئی۔یہ سن کر مزاج دار سر پیٹتی ہے اور چلاتی ہے کہ میں تو لُٹ گئی ارے لوگو خدا کے لئے دوڑو وہ موم گھروں کے چھتے میں رہتی ہے۔لوگ جب وہاں جاتے ہیں تو اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ جن ایک مہینہ سے وہاں کرایہ پر رہتی تھی۔پانچ دن پہلے ہی مکان چھوڑ کر چلی گئی ہے اب کچھ نہیں ہوسکتا۔

گرامر:۔ مرکب اضافی

مرکب اضافی وہ مرکب ہے جو مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنے اور ان کے درمیان حروف اضافت واقع ہو مثلاً اسلم کا گھوڑا۔زید کی کتاب۔اکبر کے دشمن وغیرہ ان جملوں میں دو اسموں کے درمیاں ایک تعلق یا رشتہ پایا جاتا ہے اور اس تعلق کو اضافت کہتے ہیں۔جس اسم کا تعلق ظاہر کیا جائے اس کو مضاف کہتے ہیں اور جس کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اس کو مضاف الیہ

کہتے ہیں اوران کے درمیان میں پایا جانے والا حرف حرف اضافت کہلاتا ہے۔حروف اضافت اردو میں تین ہیں ۔

ا: کا ۲:را ۳:نا ۔ان کی نوصورتیں بنتی ہے جیسے کا۔ کے۔ کی+ را۔ رے۔ ری+ نا۔ نے۔ نی

کا:۔ اسم اورضمیر کے لئے استعمال ہوتا ہے ہمیشہ اسم یا ضمیر کے بعد آتا ہے جمع کے لئے ''کے'' اورمونث کے لئے ''کی'' آتا ہے۔مثلاً اسلم کا گھر۔اسلم کی کتابیں۔احمد کے دوست۔اس کا لڑکا وغیرہ۔

را:۔ حاضراورمتکلم کی ضمیروں کے ساتھ آتا ہے واحد مذکر کے لئے ''را'' جمع مذکر کے لئے ''رے'' اورمونث کے لئے ''ری'' ہوتا ہے مثلاً میرا۔میرے۔میری+ تیرا۔تیرے۔تیری+جمع کے لئے ہمارا۔ہمارے۔ہماری+تمہارا۔تمہارے۔تمہاری

نا:۔ یہ صرف آپ کے بعد آتا ہے اورمضاف کی تذکیروتانیث اورواحدوجمع کا عمل ''نا'' پر ہوتا ہے۔مثلاً اپنا گھر۔اپنے بچے۔اپنی بلیاں وغیرہ۔

اردو مرکب اضافی میں مضاف الیہ پہلے اورمضاف بعد میں آتا ہے۔لیکن فارسی میں مضاف پہلے اورمضاف الیہ بعد میں آتا ہے اور ''زیر'' سے اضافت کا کام لیا جاتا ہے مثلاً خاکِ شفا۔عشقِ نبی وغیرہ۔

اب مثال دیکھ کر درج ذیل مرکبات میں سے مضاف الیہ اورمضاف اورحروف اضافت الگ کر کے لکھئے۔

سونے کی انگوٹھی۔خدا کا بندہ۔احمد کی ٹوپی۔کاغذ کے پھول۔رشید کا بھائی۔مزاج دار کے زیور۔

مرکب اضافی	مضاف الیہ	مضاف	حرف اضافت	مرکب اضافی	مضاف الیہ	مضاف	حرف اضافت
سونے کی انگوٹھی	سونے	انگوٹھی	کی	کاغذ کے پھول	کاغذ	پھول	کے
خدا کا بندہ	خدا	بندہ	کا	رشید کا بھائی	رشید	بھائی	کا
احمد کی ٹوپی	احمد	ٹوپی	کی	مزاج دار کے زیور	مزاج دار	زیور	کے

نوٹ:۔ مرکب اضافت کی دس قسمیں ہیں:۔

ا:۔ اضافت تملیکی ۲:۔ اضافت توضیحی ۳:۔اضافت ظرفی ۴:۔ اضافت بیانی ۵:۔ اضافت تخصیصی

۶:۔ اضافت تشبیہی ۷:۔ اضافت استعارہ ۸:۔ اضافت توصیفی ۹:۔ اضافت بنی ۱۰:۔ اضافت بہ اولیٰ تعلق

سوال:۔ ناول مراۃ العروس پر ایک مختصر نوٹ:۔

جواب:۔ اردو ادب میں ناول نگاری کا آغاز ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی ناول سے کیا۔اُن کا ہی نہیں بلکہ اردو زبان کا بھی سب سے پہلا ناول ''مراۃ العروس'' ہے۔جو ۱۸۶۹ء میں لکھا گیا ہے۔جب اُن کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پڑھنے کے لائق ہوئے تھے تو جب ان کی

خواہش کے مطابق بچوں کے لئے کوئی کتاب دستیاب نہیں ہوئی تو انہوں نے خود کتابیں لکھنے کا ارادہ کیا۔اس مقصد سے انہوں نے تین کتابیں لکھنا شروع کیں۔لڑکیوں کے لئے ''مراۃ العروس'' اور ''منتخب الحکایات'' اور لڑکے کے لئے ''چند پند'' بقول نذیر جن کے پڑھنے سے بچوں کے دماغ روشن ہوں۔ان کے دل میں مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو اور وہ اچھے شہری بن سکیں۔''معراۃ العروس'' میں نذیر احمد نے دہلی کے شریف گھرانے کی گھریلو زندگی کے بڑے کامیاب نقشے کھینچے ہیں اور دہلی کی خاص تکسالی زبان اور محاورے اور عورتوں کے مکالمے خوب استعمال کئے ہیں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
گل ہونا	چراغ کا بجھنا۔مرنا	وارد ہونا	نازل ہونا۔پہنچنا	اجنبی	پردیسی۔ناواقف
شدت	سختی۔تکلیف۔زور	لٹ چکی	تباہ ہوئی۔برباد ہوئی	خاطر داری	آؤ بھگت۔تواضع کرنا
مکارہ	دغاباز۔دھوکاباز	کوہ طور	وہ پہاڑ جس پر حضرت موسیٰ نے جلوہ دیکھا	پھسلانا	دھوکا دیکر خوش کرنا۔ فریب دینا
خاک شفا	شفا بخشنے والی مٹی	بیاہ	شادی۔کتخدائی	تبرک	وہ چیز جس میں برکت ہو
خانہ کعبہ	اللہ کا گھر۔قبلہ جو مکہ میں ہے	بے کلی	بے چینی۔بے قراری	صدہا	سینکڑوں۔بہت سے
تاڑ لینا	بھانپ لینا۔جان لینا	آہ کھینچنا	غم میں تڑپنا۔فریاد کرنا	تسبیح	وہ مالا جس میں مقررہ دانے ہوتے ہیں شمار کیلئے
فیروزہ	سبز آسمانی رنگ کا جواہر	جُزو کل	ٹکڑا اور مکمل۔پورا یا حصہ	غلاف	کعبے کی پوشش۔جزدان
التفات	توجہ۔مہربانی	بھید	راز۔دل کی بات	زیارت	کسی متبرک مقام کا دیکھنا
تقدیر	قسمت۔نصیب۔بخت	پیر کامل	بزرگ اُستاد، مرشد	بکاؤ	بکری کی چیز۔بیچنے کی چیز
انشااللہ	اگر خدا نے چاہا۔کلمہ شرط	نا اُمیدی	مایوسی۔جب کوئی توقع نہ ہو	اسباب	سبب کی جمع۔سامان۔
منت کرنا	کسی مراد کے واسطے مانی ہوئی بات	معالجے	علاج۔علاج کرنا	چوٹی	عام بالوں سے ابھرے ہوئے کچھ بال

گڑگڑاکر	منت سماجت کرکے۔ عاجزی	فرصت	موقعہ۔فراغت۔اطمینان	شبہ	مشتبہ۔پوشیدہ۔شک
مول لینا	خریدنا۔ پیچھے بلالگانا	لٹوہونا	عاشق ہونا۔فریفتہ ہونا	معتقد	اعتقادرکھنے والا
آنکنا	تخمینہ کرنا۔جانچنا۔پرکھنا	پلے میں باندھنا	آنچل میں باندھنا۔یاد رکھنا	سیانا	دانا۔سمجھدار۔چالاک
نیک بخت	خوش نصیب۔اقبال مند	سُنار	گہنا بنانے والا	قفس	پنجرا۔جال۔پھندا
ممانعت	روک۔بندش۔مناہی	نتھ	ناک میں پہنے کا زیور	بھیس	لباس۔پوشاک۔سوانگ
چاٹ لگنا	مزاپڑا۔چسکا پڑا	زیور	گہنا۔زیب وزینت	سر پیٹنا	دونوں ہاتھوں سے سرکو زدکوب کرنا
کم بخت	بدنصیب۔بدقسمت	نکڑء	موڑ۔سرا۔کونہ	سر پیٹنا	نالہ زاری کرنا۔افسوس کرنا
بہتی بہاتی	پانی کے رو میں چلا جانا	باولی ہوئی	پاگل ہوئی۔دیوانی ہوچکی	کٹنی	دلالہ۔مکارہ
دھگدلی	گلے کے زیور کا نام	پاندان	پان رکھنے کا ڈبہ۔پٹاری	حجن	وہ عورت جس نے حج کیا ہو
پہنچیاں	کلائی میں پہنے کا زیور	بنیا	آٹا دال بیچنے والا	زمزمپاں	آب زم زم رکھنے کی بوتل
ہڑیں	لمبی گنڈیاں	پوٹلی	تھیلی۔چھوٹی گٹھڑی	ریجھ جانا	مائل ہوجانا۔عاشق ہوجانا
کلابتو	چاندنی یا سونے کے تار	اجلوانا	صاف کروانا۔چمکیلا بنوانا	چھتا	کوٹھا۔بھڑوں کا گھر
گنڈا	ڈورا۔تعویز	مرکیاں	مرکی کی جمع۔کان کا زیور		

سوال: واحد کے جمع اور جمع الجمع لکھئے:۔

واحد	جمع	جمع الجمع	واحد	جمع	جمع الجمع
امر	امور	امورات	شاہد	شواہد	شواہدات
اثر	آثار	آثارات	طالب	طلبہ	طلبات
اسم	اسماء	اسامی	طرف	اطراف	اطرافات
ارض	اراضی	اراضیات	عارضہ	عوارض	عوارضات

باقی	بقایا	بقایات	عرق	عروق	عرقیات
تحفہ	تحائف	تحفہ جات	عجیب	عجائب	عجائبات
تدبیر	تدابیر	تدابیریں	علاقہ	علایق	علاقہ جات
جوہر	جواہر	جواہرات	عمید	عمائد	عمائدین
حاجت	حوائج	حاجات	غرض	اغراض	اغراضات
حکم	احکام	احکامات	فکر	افکار	افکارات
حادثہ	حوادث	حوادثات	فتح	فتوح	فتوحات
خرچ	اخراج	اخراجات	قدم	اقدام	اقدامات
خبر	اخبار	اخبارات	کرم	کرامت	کرامات
خلق	اخلاق	اخلاقیات	کریم	کرام	کرامات
خَلق	مخلوق	مخلوقات	لازم	لوازم	لوازمات
دوا	ادویہ	ادویات	لقب	القاب	القابات
ذکر	اذکار	اذکارات	مطلب	مطالب	مطالبات
رمیز	رموز	رموزات	مرحلہ	مراحل	مراحلات
رقم	رقوم	رقومات	منظر	مناظر	مناظرات
رکن	ارکان	اراکین	محسوس	محسوسہ	محسوسات
رسم	رسوم	رسومات	نسخہ	نسخ	نسخہ جات
رسالہ	رسائیل	رسالہ جات	نور	انوار	انوارات
زوج	ازواج	ازواجات	نقل	نقول	نقولات
سانح	سوانح	سوانحات	نادر	نوادر	نوادرات
سائد	سادت	سادات	وجہ	وجوہ	وجوہات
سفر	اسفار	اسفارات	وظیفہ	وظائف	وظائفات
سلح	اسلحہ	اسلحہ جات	ضلع	اضلاع	اضلاعات

﴾رباعی پر ایک مختصر نوٹ﴿

رُباعی چار مصرعوں کی اُس نظم کو کہتے ہیں۔ جس میں کسی خاص خیال یا مضمون کو نظم کیا جاتا ہے۔ اس میں اخلاقی، عاشقانہ اور فلسفیانہ سب ہی طرح کے خیالات پر طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ اس کے لئے چند بحریں مقرر ہیں اُن ہی کی پابندی کہ جاتی ہے۔ عام طور سے رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات چاروں مصرعے کی ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ ردیف کہ پابندی ضروی نہیں جبکہ قافیہ کی پابندی لازمی ہے۔ بظاہر یہ صنف بہت آسان ہے۔ مگر اچھی رباعی کہنا بہت دشوار ہے۔ رباعی کہ ایجاد کا سہرا قدیم ایرانی شاعر رودکی کے سر ہے۔ اردو میں سب ہی بڑے شاعروں نے کچھ نہ کچھ رباعیاں لکھی ہیں۔ مگر اخلاقی رباعیاں میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے بہت اچھی لکھی ہیں۔ بعد میں حالیؔ۔ اقبالؔ۔ اکبرؔ۔ جوشؔ۔ رُواںؔ اُناوی اور امجدؔ حیدر آبادی کہ رباعیات نے اُردو ادب کو اس صنف سے مالا مال کیا۔

سوال:۔ میر انیس پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب:۔ میر ببر علی نام اور انیس تخلص تھا۔ ۱۸۰۱ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ میر مستحسن خلیق کے بیٹے اور صاحب مثنوی سحر البیان میر حسنؔ کے پوتے تھے۔ جد امجد میر امامی ایران سے دلی آئے لیکن زمانے نے وفا نہ کی اور میر حسن کو ترک وطن پر مجبور کیا۔ فیض آباد گئے پھر لکھنو آ کر بود و باش اختیار کی۔ میر انیس کی تعلیم و تربیت لکھنو ہی میں ہوئی۔ پہلے غزل کہا کرتے تھے۔ مگر والد کے ارشاد پر اٹھارہ سال کی عمر میں مرثیہ گوئی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں چار چاند لگا دیئے۔ مرثیہ گوئی ورثے میں ملی تھی۔ خود فرماتے ہیں۔

؎ عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں پانچویں پشت ہے شبیرؓ کی مداحی میں

میر انیس کا شمار صف اول کے مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان سے پہلے اردو میں اخلاقی رزمیہ' بیانیہ' جذباتی' واقعاتی اور مناظر قدت سے متعلق شاعری کا فقدان تھا۔ انہوں نے اپنے مرثیوں کے ذریعے ان تمام چیزوں کا اضافہ کر کے اردو شاعری اور ادب کے دامن کو مالا مال کیا۔ ان کو زبان اور بیاں پر پوری قدت حاصل تھی۔ میر انیسؔ نے مداح آل رسولؐ کی حیثیت سے اُردو شاعری میں وہ نام آوری حاصل کی۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ خدائے سُخن بھی کہلائے۔

میر انیس نے بہتر (۷۲) سال کی عمر پائی اور ۱۸۷۴ء میں عالم فانی سے عالم جاودانی کہ طرف کوچ کیا۔

رباعی نمبر ۱:۔ رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خالی ہے صدا دیتا ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ رتبہ = پایہ - درجہ - عہدہ + جا = جگہ - مقام - موقع + خالی = کھوکھلا + صدا = آواز - آہٹ

تشریح:۔ اس رباعی میں میر انیسؔ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو اللہ تعالےٰ اس دنیا میں عزت اور وقار سے نوازتا ہے۔ وہ اپنے دل میں عاجزی اور مسکینیکو جگہ دیتا ہے۔ تکبر اور غرور سے دُور رہتا ہے۔ عاجزانہ طرز پر میانہ روی کے ساتھ اپنی زندگی گزارتا ہے۔

اس کے برعکس جولوگ بے وقوف اور نادان ہوتے ہیں وہ اپنی تعریفیں آپ کرتے رہتے ہیں۔ مغروراور گھمنڈی ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس خالی برتن جیسی ہوتی ہے۔ جوصرف بجتا ہے اور صرف آواز دیتا ہے۔ کیونکہ وہ کھوکھلا ہوتا ہے۔ جو برتن بھرا ہوا ہوگا اس سے آواز نہیں نکلتی۔

رباعی نمبر۲:۔ ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ عدالت تیری

تفہیم الفاظ:۔ سوا=زیادہ-بڑھکر-علاوہ+شفقت=مہربانی-غم خواری-رحم+غضب=قہر-غصہ+رحمت=مہربانی-کرم+جنت=بہشت=ارم+انعام=بخشش-عطیہ-صلہ+دوزخ=جہنم-آگ+رحم=مہربانی-ترس+عدالت=انصاف کی کچہری-عدل کرنے کی جگہ+

تشریح:۔ اس رباعی میں ببر علی انیسؔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی شفقت اور مہربانی ماں باپ کی شفقت اور پیار محبت سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ کی رحمت بھی اس کے غضب سے زیادہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جیسا شفیق اور مہربان کوئی نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اُس جیسا رحم کرنے والا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا رحم ہے۔ کہ اگر وہ ہمیں اپنے انعام سے نوازے یعنی جنت عطا کرے۔ اِسی طرح اگر ہمیں دُوزخ میں ڈال دے تو یہ بھی اُسی کی عدالت یعنی انصاف ہے۔ دونوں صورتوں میں اسی کا کرم شامل حال ہے۔

رباعی نمبر۳:۔ آغوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قبر کا کُونا ہوگا

تفہیم الفاظ۔ آغوش =گود-بغل-کنار+جُز=بغیر-سوا-اِلا+خاک=مٹی-راکھ-گرد+تکیہٗ=سرہانے رکھنے کی چیز-آرام کی جگہ-بھروسہ+بچھونا=بستر-فرش+تنہائی=اکیلا رہنا۔ مفارقت-علاحدگی+آہ=کلمہءافسوس-تکلیف سے کراہنے کی آواز+انیس=شاعر کا تخلص-رفیق

تشریح:۔ اس رُباعی میں انیس فرماتے ہیں۔ کہ اے انسان جب تجھے مرنے کے بعد اپنی قبر میں سونا ہوگا تو وہاں مٹی کے بغیر اور کچھ بھی نہ ہوگا۔ وہاں تمہارے لئے نہ کوئی سرہانے رکھنے کی چیز ہوگی اور نہ کوئی فرش یا بستر ہوگا۔ قبر کی مٹی کے سوا آرام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ انیس اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے۔ کہ اے انیس وہاں قبر میں صرف تنہائی ہوگی۔ وہاں تمہارا کوئی ساتھی نہیں ہوگا صرف قبر ہوگی اور اکیلے تم ہوگے۔ یعنی انسان اس دنیا میں جو عیش وآرام کی زندگی گزارتا ہے اپنے دوست واحباب اور اور رشتہ دار بناتا ہے۔ اُن میں کوئی ساتھ نہیں ہوتا کیونکہ یہ سب فانی ہے اور فانی دنیا کے ہی دوست ہے البتہ حقیقت میں دوست اور احباب اور عیش عشرت کا جو سامان قبر میں ساتھ ہوگا۔ وہ ساماں صرف اور صرف اللہ کی بندگی اور پیغمبرؐ کی اطاعت سے حاصل ہوسکتا ہے۔

سوال نمبر۱: دنیا میں کون لوگ نرمی اور تواضع اختیار کرتے ہیں؟

جواب: دنیا میں وہی لوگ نرمی اور تواضع اختیار کرتے ہیں جو اپنے دل میں عاجزی اور مسکینی کو جگہ دیتے ہیں جو گھمنڈ اور غرور نہیں کرتے

بلکہ اپنی زندگی میانہ روی سے گزارتے ہیں۔

سوال نمبر۲: دوسری رباعی کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے؟

جواب: اس رباعی میں انیسؔ کہتے ہیں کہ اللہ کی شفقت ماں باپ کی شفقت سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح اللہ کی رحمت اُس کے قہر سے زیادہ ہوتی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ جیسا شفیق اور مہربان کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی اس جیسا رحم کرنے والا ہے اسی کی عنایت سے ہمیں جنت بھی ملتی ہے اور جہنم بھی۔وہ چاہئے انعام واکرام سے نوازے یعنی جنت عطا کرے۔اسی طرح اگر وہ ہمیں دوزخ میں ڈالے تو یہ اس کا انصاف ہوگا اور اسی کی عدالت ہوگی۔

سوال نمبر۳: شاعر کا حوالہ دے کر ان اشعار کی وضاحت کریں؟

آغوش لحد میں کہ سونا ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم ہوں گے اور قبر کا کونا ہوگا۔

جواب: یہ میر ببر علی انیسؔ کی ایک رباعی ہے وہ فرماتے ہیں اے انسان جب تجھے مرنا ہوگا اور پھر قبر میں سونا ہوگا تو وہاں مٹی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوگا وہاں نہ کوئی تکیہ ہوگا اور نہ بچھونا ہوگا۔شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے انیسؔ وہاں قبر میں تنہائی ہوگی وہاں کون تمہارا دوست ہوگا۔صرف قبر ہوگی اور تم اکیلے ہوگے مطلب یہ کہ دنیا میں جو آپ کے ساتھی تھے وہ سب وہاں ساتھ نہیں ہوں گے۔

سوال نمبر۴: میر انیسؔ کی شاعری کے بارے میں مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب: میر انیسؔ کا شمار صف اول کے مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔انہوں نے مرثیہ گوئی میں چار چاند لگا دیئے۔انیسؔ کو زبان پر ایسی قدرت حاصل ہے جو خالق کو مخلوق پر ہے۔انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ ہر ایک کے جذبات کو حفظ مراتب کے لحاظ سے اس طرح نظم کرتے ہیں کہ ان کے کردار کی پوری تصویر نمایاں ہو جاتی ہے۔ مناظر قدرت کے بیان کرنے میں انیسؔ کو ید طولےٰ ہے۔دریا، جنگل، صبح، شام وغیرہ کا سماں الفاظ سے ایسا کھینچتے ہیں کہ مصور کا قلم بھی ایسی کیفیت اور نمونہ پیش کرنے سے عاری ہے۔زبان کی لطافت، محاورات کی دلاویزی اور مضمون کی دل کشی کسی وقت پڑھنے والے کی طبیعت کو بدمزہ نہیں ہونے دیتی۔سلاست، فصاحت اور روانی میر انیسؔ کے یہاں قدم قدم ہر نمایاں ہیں متانت وسنجیدگی ان کے کلام کی جان ہے مکالمہ میں کوئی شاعر انیسؔ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اگر ان کے کلام پر نظر ڈالیں تو وقار وتمکین کے ساتھ اخلاق حسنہ کا آئینہ معلوم ہوتا ہے۔

جگت موہن لال رُواںؔ پر مختصر نوٹ

ان کا نام چودھری جگت موہن لال اور تخلص رواں تھا۔۱۴ جنوری ۱۸۸۹ء کو اناوہ اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ان کے والد چودھری گنگا پرشاد کا انتقال ہوا جب رواںؔ نو سال کے تھے۔پھر بڑے بھائی کنھیا لال نے پرورش کی۔رواںؔ بہت ذہین تھے جب پڑھنا شروع کیا تو امتحان میں امتیازی پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوتے رہے ۱۹۱۳ء میں ایم۔اے اور ۱۹۱۶ء میں ایل۔ایل۔بی کر کے اناوہ

میں وکالت شروع کی اور کافی شہرت پائی۔شاعری کا لگاؤ بچپن سے ہی ساتھ رہا اور مرتے دم تک قائم رہا۔رواںؔ تخلص اختیار کیا اور رواں اناوی کے نام سے مشہور ہو گئے۔عزیز لکھنو کے شاگرد تھے۔زندگی نے وفا نہ کی اور ۴۵ سال کی عمر میں ۱۹۳۴ء میں انتقال ہوا۔رواں کے دیوان ''روح رواں'' میں غزل،قطعہ،رباعی کے علاوہ نظمیں بھی ہیں۔غزلوں میں رواں نے زبان کا خاص طور سے خیال رکھا۔جس کی وجہ سے کلام میں تازگی اور بیاں میں ندرت پیدا ہوگئی ہے۔ان کا رجحان بالعموم فلسفہ اور معنوویت کی طرف ہے لیکن لطف یہ ہے کہ کلام میں خشکی نہیں آنے پائی۔انہوں نے رباعیات بہت کافی کہیں ہیں۔جن میں زندگی کے مختلف عنوانات پر دلچسپ طریقے سے طبع آزمائی کی ہے۔اس میدان میں بھی لطیف استعارے اور تشبیہوں سے اپنے کلام کو دل چسپ بنایا ہے۔غرض رواں اناوی ایک کامیاب شاعر گذرے ہیں۔

رباعی نمبر۱:۔ دنیا سوسوطرح سے بہلاتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہر بات میں نظر آتی ہے۔

تفہیم الفاظ: بہلاتی = دل خوش کرتی۔جھوٹ موٹ تسلی دیتی ہے۔فریب دیتی ہے+سوسوطرح سے = بہت۔کثرت سے+سامان = اسباب۔چیز۔بست+خوشی = سرور۔انبساط۔شادی+روح = جان۔دل۔اندرونی خواہش+فکر = اندیشہ۔تردد۔غصہ+ فنا = نیستی۔نیت نابود ہونا۔

تشریح: اس رباعی میں رواںؔ اناوی فرماتے ہیں کہ یہ دنیا انسان کو سینکڑوں طریقوں سے بہلاتی اور فریب دیتی ہے اور انسان اس دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو جاتا ہے۔اور جو شخص اس دنیا کی دلچسپیوں میں کھویا رہتا ہے وہ مال و دولت کا پرستار بن جاتا ہے اور اس کی روح ہمیشہ بے قرار رہتی ہے۔لیکن جب سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ دنیا فانی ہے اس خیال نے میری آنکھیں کھول دی ہیں اور میں یہ حقیقت جان گیا کہ اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے لہذا مجھے دنیا کی ہر چیز میں رنج و تکلیف ہی نظر آتے ہیں۔

رباعی نمبر۲:۔ حرص و ہوس حیات فانی نہ گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اُمید زندگانی نہ گئی

تفہیم الفاظ: حیات = زندگی۔جان+فانی = فنا ہونے والی+حرص = لالچ۔تمنا۔خواہش+ہوس = لالچ-خواہش+ہوائے = آرزو-تمنا-ارمان+کامرانی = کامیابی-خوش نصیبی+سنگ مزار = مردے کے نام کی قبر پر لگی ہوئی تختی-لوح مزار+اُمید = آس-آرزو+زندگانی = حیات-عمر+

تشریح:۔ اس رباعی میں رواںؔ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل سے کبھی بھی اس فانی زندگی کی تمنا آرزو اور لالچ کبھی ختم نہیں ہوتی ہے۔بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ اپنے آپ کو مر کر بھی زندہ رکھنا چاہتا ہے تبھی تو اس کی قبر پر سنگ مزار رکھا جاتا تا کہ زندگی کی آس مر کر بھی قائم اور دائم رہے۔

رباعی نمبر۳:۔کیا تم سے بتائیں عمر فانی کیا تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔زندگانی کیا تھی

تفہیم الفاظ:۔عمر = عرصہ-مدت-سن وسال+فانی = فنا ہونے والی+بچپن = لڑکپن۔کم سنی+جوانی = نوعمری-شباب+گل = پھول-گلاب-مطلق پھول+مہک = خوشبو-عطر-اچھی بو+ہوا کا جھونکا = ہوا کی زور سے جنبش جو دفعتہً محسوس ہو+موج = پانی کی لہر-

ترنگ+فضا= کیفیت- بہار- زمین کی فراخی

تشریح:۔ اس رباعی میں رواں زندگی کی اصل حقیقت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے دوست میں تمہں کیا بتاؤں کہ میری فنا ہونے والی عمر کیا تھی یعنی کیسی تھی۔ کیسے آپ کو بتاؤں کہ میرا بچپن اور پھر میری جوانی کیسی تھی۔ بس یہی سمجھ لو کہ بچپن پھول کی خوشبو کی طرح تھا۔ اور جوانی ہوا کے جھونکے کے مانند تھی۔ جو ایک طرف سے آیا اور دوسری طرف چلا گیا۔ یعنی میری زندگی فضا کی ایک لہر تھی جو چند لمحوں تک فضا میں لہرائی اور پھر ختم ہوئی بجز اُس کے کچھ نہیں تھا۔

سوال نمبر۱:۔ شاعر کو ہر بات میں کلفت کیوں نظر آتی ہے؟

جواب:۔ جب شاعر نے جان لیا کہ دنیا اور اس کی ہر شئے فانی ہے۔ اور دنیا تلاش کرنے سے اور اس کہ لالچ کرنے سے دل میں بے قراری پیدا ہوتی ہے اور اس کی لذتوں اور آسائشوں سے روح گھبرا جاتی ہے تو اُس وقت اُسے دنیا کی ہر چیز میں کلفت یعنی رنج و غم ہی نظر آتا ہے۔

سوال نمبر۲:۔ تیسری رباعی میں سے تشبیہیں تلاش کریں؟

جواب:۔ اس رباعی میں تین تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں۔ گل کی مہک- ہوا کا جھونکا- موج فضا

ا:۔ بچپن کو گل کی مہک سے تشبیہہ دی گئی ہے

ب:۔ جوانی کو ہوا کے جُھونکے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

ج:۔ زندگانی کو موج لہر سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

(نوٹ) تشبیہہ کسے کہتے ہیں؟

کسی معنی یا مطلب کی وضاحت کے لئے یا اپنے کلام کو زیادہ موثر بنانے کے لئے تشبیہہ کا استعمال ہوتا ہے جیسے دودھ کی مانند سفید یا برف کی مانند سرد+ شاعری میں تشبیہہ ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے پوشیدہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور شاعر کا مفہوم پڑھنے والے کے ذہن میں آسانی سے واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً محبوب کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کے مانند ہے۔ اس تشبیہ کے ذریعہ سے شاعر اپنے مفہوم کو آسانی سے واضح کر سکتا ہے۔ اگر یہ تشبیہ استعمال نہ کی جاتی تو محبوب کے چہرے کا حسن و جمال ایسی خوبی کے ساتھ انسان کے ذہن نشیں نہیں ہوتا۔

تشبیہات کی چند مثالیں

برف جیسا	ٹھنڈا	آگ کی طرح	گرم	بچوں کی طرح	ضدی
بجلی کی طرح	تیز	گدھا جیسا	بے وقوف	بانس کی طرح	لمبا
بکری جیسا	ڈرپوک	کوے کی طرح	کالا	تیر کی طرح	سیدھا
بُت کی طرح	خاموش	پہاڑ کی طرح	مضبوط	لومڑی کی طرح	سخت

کتا جیسا	وفادار	خون کی طرح	سُرخ	ہوا کی مانند	آزاد
گیند کی طرح	گول	مکھین جیسا	ملائم	دن کی طرح	روشن
گھاس جیسا	سبز	حاتم جیسا	سخی	سمندر جیسا	گہرا

سوال نمبر۳:۔ دوسری رباعی کا ماحصل لکھیئے؟ پانی جیسا۔ پتلا + یوسف جیسا ا۔خوبصورت + لوہے جیسا۔سخت

جواب:۔ اس رباعی میں رواںؔ اناوّی فرماتے ہیں کہ انسان کے دل سے کبھی بھی اس زندگی کی لالچ اور تمنا ختم نہیں ہوتی۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر سنگ مزار رکھا جاتا ہے۔ یہ مرنے والی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مر کر بھی زندہ رہے۔

سوال نمبر۴:۔ رواںؔ اناوّی کے بارے میں مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب:۔ صفحہ نمبر ۴۰ پر دیا گیا ہے۔

سوال نمبر۵:۔ رُباعی پر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ صفحہ نمبر ۳۷ پر دیا گیا ہے۔

سوال نمبر۶:۔ یہ کس قسم کے مرکبات ہیں:۔

ا:۔ سامان خوشی

ب:۔ حیات فانی

ج:۔ حرص وہوس

جواب:۔ سامان خوشی یعنی ''خوشی کا سامان'' مرکب اضافی ہے۔ اسی طرح حیات فانی یعنی فنا کی زندگی مرکب اضافی ہے۔ کیونکہ دونوں میں حروف اضافت ہے۔

''حرص وہوس'' یہ مرکب عطفی ہے کیونکہ ان دو اسموں کے درمیاں حروف عطف ہے۔

حروف عطف:۔ حروف عطف وہ حروف ہیں جو دو اسموں یا دو جملوں کو باہم مِلاتے ہیں۔ مثلاً رام اور شیام + شب و روز + بشیر آیا اور احمد چلا گیا۔ ان مثالوں میں ''اور'' - ''و'' حروف عطف ہیں۔ جو دو اسموں اور دو جملوں کو ملاتے ہیں۔ حروف عطف سے پہلے اسم یا جملے کو معطوف الیہ کہتے ہیں اور حروف عطف کے بعد آنے والے اسم یا جملے کو معطوف کہتے ہیں۔

مرکب عطفی:۔ جب دو اسموں کے درمیان حروف عطف ہو تو پہلا اسم معطوف الیہ اور دوسرا معطوف ہوتا ہے۔ معطوف الیہ اور معطوف کے مجموعے کو مرکب عطفی کہتے ہیں۔ جیسے حرص وہوس وغیرہ

افسانہ

عام طور پر فرضی کہانی کو افسانہ کہا جاتا ہے۔ جو حقیقت کے قریب ہو اور اپنی جگہ مکمل ہو۔ اور اس میں زندگی کی عکاسی ہوئی ہو۔ اسی

لئے افسانہ نگار کو اس کا مواد اپنے اردگرد بکھری ہوئی سچائیوں، حقیقتوں اور صداقتوں سے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ افسانہ انسانی زندگی کے ایک پہلو پر بحث کرتا ہے۔ افسانہ مختصر ہوتا ہے۔ اور ایک ہی نشت میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی اس کا اختصار ہے۔ افسانے میں کوئی واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کی ابتداء ہوتی ہے پھر واقعات، حرکت، تصادم، منتہا، انکشاف پھر خاتمہ ہوتا ہے۔ جس طرح ہندوستانی کتھا اور انگریزی میں فیکشن (FICTION) کا لفظ ایک وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح اردو میں افسانہ ایک وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ افسانہ ایک حقیقت پسندانہ طریقے سے ہماری زندگی کے کسی ایک گوشے کو بے نقاب کرتا ہے۔ داستان یا ناول میں کئی کردار ہوتے ہیں۔ جبکہ افسانہ میں ایک مرکزی کردار ہوتا ہے۔ داستان یا کہانی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ جو قاری کو دعوت فکر دیتا ہے داستان تفریح طبع کے لئے ہوتی ہے۔ جبکہ افسانہ اصلاحی پہلو رکھتا ہے۔ اور اس میں حقیقت بیاں کی جاتی ہے۔ افسانہ کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

ا:۔ کردار یعنی افراد قصہ ب:۔ پلاٹ یعنی ڈھانچہ ج:۔ مکالمہ د:۔ عنوان یعنی کہانی کی سُرخی

ہ:۔ اختتام یعنی کہانی کا انجام

افسانہ نگاری کا فن ہر ملک، ہر قوم، ہر زمانے اور ہر زبان میں مقبول رہا ہے۔ اردو ادب میں سعادت حسن منٹو۔ کرشن چندر۔ راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، رام لعل، جوگندر پال، منشی پریم چند، خواجہ احمد عباس اور سرنیگر کے نور شاہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

منشی پریم چند پر مختصر نوٹ

منشی پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے تھا۔ لیکن پریم چند کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ بنارس کے قریب موضع بانڈے پور میں ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا۔ سات سال تک فارسی کی تعلیم حاصل کی پھر بنارس کالج سے انٹیرنس کا امتحاں پاس کیا۔ والد کے فوت ہونے کی وجہ سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء سے مضامیں، ڈرامے اور افسانے لکھنے شروع کئے۔ آپ ہندی اور اردو زبان کے ماہر تھے۔ اور دونوں زبانوں میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ پریم چند دنیائے افسانہ میں ابھی تک یکتا ہے۔ اُن کے افسانوں کا مخزن دیہات ہے۔ پریم چند کے افسانے انسانی کردار کے روشن آئینے ہیں۔ پریم چند کی زبان نہایت شائستہ اور روان ہے۔ سادگی اس کا جوہر ہے۔ پریم چند کا انتقال ۱۹۳۷ء میں ہوا۔ اپنی قلیل عمر میں انہوں نے اتنے اچھے اور زیادہ افسانے اور ناولیں دنیا کے سامنے پیش کر دیئے ہیں کہ اردو ادب میں ان کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔ افسانوں کے مجموعوں میں ''سوز وطن''۔ پریم پچیسی، پریم چالیسی، فانوس خیال اور ''زادراہ'' قابل ذکر ہیں۔ اور ناولوں میں بازار حسن۔ میدان عمل'' چوگان ہستی''، ''غبن'' اور گئودان بہتریں ناولوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

سوال نمبرا:۔ پنڈت چندر دھر اپنے پیشے سے کیوں بے زار تھے؟

جواب:۔ پنڈت چندر دھر سکول ماسٹر تھے اُن کی تنخواہ بہت ہی کم تھی۔ اُن کا گذارہ بہت مشکل سے ہوتا تھا۔ اُن کے پڑوس میں رہنے

والے ٹھاکر صاحب اور منشی جی بھی ملازم تھے مگر ان کی زندگی آرام سے گذر رہی تھی۔ ٹھاکر صاحب محکمہ پولیس میں ہیڈ کانسٹبل تھے اور منشی جی محکمہ مال میں اکاونٹ کلرک تھے۔ دونوں کی تنخواہ ماسٹر جی کی جتنی تھی۔ مگر ان کو اُوپر کی آمدنی خوب ہوتی تھی۔ دونوں عیش وعشرت کی زندگی گذارتے تھے۔ گھر میں نوکر چاکر تھے ان کو ہر عیش میسر تھا۔ پنڈت جی جب اپنی اور اُن دونوں کی زندگی کو مقابلہ کرتے تھے تو اُنہیں اپنے آپ پر غصّہ آتا تھا تو اپنی قسمت کو کوستے تھے۔ اُن دونوں سے زیادہ پڑھے لکھے تھے مگر آمدنی میں اُن سے کم تر تھے۔ صرف اپنی ماہانہ تنخواہ پر ہی گذارہ کرنا پڑتا تھا۔ روپیہ بنانے کا کوئی غلط طریقہ اُس کے پیشے میں نہیں تھا اسی لئے وہ اپنے پیشے سے بیزار تھے۔

سوال نمبر۲:۔ داروغہ جی کا پنڈت چندر دھر کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟

جواب:۔ داروغہ جی کا برتاؤ پنڈت چندر دھر کے ساتھ بہت ہی غیر مناسب تھا۔ کیونکہ پنڈت جی سیدھے سادھے آدمی تھے اور داروغہ جی اُن کا پڑوسی تھا۔ اور پڑوسی ہونے کے ناطے کبھی کبھار بچی ہوئی سبزی یا دودھ پنڈت جی کو بھیجتے تھے مگر اس مہربانی کے پیچھے ان کی اپنی ایک خودغرضی بھی تھی وہ یہ کہ اس مہربانی کے عوض پنڈت جی کو داروغہ صاحب کے دو بیٹوں کی نگرانی کرنا پڑتی تھی اور ان کی پڑھائی کی طرف خاص توجہ رکھنا پڑتی تھی۔

سوال نمبر۳:۔ دوران سفر داروغہ جی کے ساتھ پیش آیا واقعہ اپنے الفاظ میں لکھیئے؟

جواب:۔ داراوغہ جی پولیسّ میں ہیڈ کانسٹبل تھے۔ رشوت لینے کی عادت پڑی تھی اور ہمیشہ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اور ہر کسی کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ انسان جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔ یہی کچھ سفر کے دوران داروغہ جی کے ساتھ ہوا۔ ریل کے ڈبے میں بیٹھنے کے لئے جگہ تک نہیں مل سکی حالانکہ ڈبے میں صرف دو مردوں نے پورا قبضہ جمایا تھا۔ داروغہ جی اور دونوں مسافروں کے درمیاں بہت تیز کلامی ہوتی ہے۔ وہ جگہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے کیونکہ داروغہ نے ایک مسافر سے کبھی رشوت لی ہوتی ہے اور وہ مسافر اُسی کا بدلہ داروغہ سے لے رہا ہے۔ اب داروغہ دوسرے مسافر کو اپنا صندوق نیچے رکھنے کے لئے کہتا ہے۔ مگر وہ بھی جھڑک دیتا ہے۔ ٹھاکر کہتا ہے کہ میرے ساتھ آپ کی کیا دشمنی ہے تو وہ مسافر کہتا ہے کہ اسی میلے کے دن آپ نے مجھے ڈنڈے مارے تھے تب آپ کے ساتھ بہت سے کانسٹیبل تھے۔ اس لئے اُس وقت خاموش رہا مگر زخم ابھی بھی تازہ ہے۔ خاموشی سے کھڑے رہو ورنہ میں آپ سے یہیں بدلہ لوں گا۔ اب پنڈت جی خاموش رہنے کی صلاح دیتے ہیں اس لئے اگلے سٹیشن پر اُترنے لگے تو اس مسافر نے لات مار کر پلیٹ فارم پر اُوندھے مُنہ گرا دیا۔ اور دوسرے نے ان کا سامان باہر پھینک دیا۔

سوال نمبر۴:۔ کرپاشنکر نے پنڈت جی، داروغہ جی اور منشی جی کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

جواب:۔ اجودھیا میں جب داروغہ جی، منشی جی اور پنڈت جی کو رات کے ٹھہرنے کے لئے کہیں جگہ نہیں ملتی ہے تو وہ کُھلے میدان میں اپنا پڑاؤ ڈالتے ہیں۔ مگر رات کو بارش شروع ہو جاتی ہے وہ پریشان تھے۔ کہ کیا کریں اُنہیں ایک آدمی ملتا ہے وہ پنڈت جی کو پہچانتا

ہے۔ اصل میں وہ آدمی پنڈت کا ایک شاگرد کرپاشنکر ہوتا ہے۔ کرپاشنکر اپنے اُستاد کے پیر چھوتا ہے اور اُن سب کو اپنے گھر لے آتا ہے۔ اُنھیں کھانا وغیرہ کھلاتا ہے اور اُن سب کی اچھی طرح سے خدمت کرتا ہے۔ یہ لوگ کرپاشنکر کے پاس تین دن تک رہتے ہیں۔ تیسرے دن جب یہ لوگ گاڑھی میں واپس جانے کے لئے بیٹھے ہیں تو کرپاشنکر کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اور اسی حالت میں اپنے اُستاد پنڈت چندردھر کے پیر چھوتا ہے۔ اور اُستاد سے کہتا ہے کہ کبھی کبھی مجھے یاد کیا کیجئے گا۔

سوال:۔ پنڈت چندردھر کو اپنے پیشے کی عظمت کا احساس کس طرح ہوا؟

جواب:۔ پنڈت چندردھر ایک اسکول کے مدرس تھے۔ وہ اپنی معمولی تنخواہ پر گذارہ نہیں کر پاتے تھے۔ بالائی آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے ہمیشہ اپنے پیشے سے بے زار رہتے تھے۔ اس کے برعکس اُس کے دو پڑوسی داروغہ اور منشی جی عیش کی زندگی گذارتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے عہدون کا ناجائز فائدہ اٹھا کر رشوت لیتے تھے۔ لیکن اجودھیا کی یاترا کے دوران ان دونوں رشوت خوروں کو قدم قدم پر بے عزتی اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسا کیا تھا ویسا پایا۔ جس کو ستایا تھا اُس نے موقعہ ملتے ہی بدلہ لیا اور ہر ایک نے بے عزت کیا۔ اس کے برعکس جب وہ سبھی پریشان حال تھے۔ تو پنڈت جی کے ایک شاگرد نے ان کی بھرپور مدد کی ان کو اپنے گھر لے گیا۔ تین دن تک ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی اور ہاتھ باندھے اپنے استاد پنڈت کی کے سامنے کھڑا رہا۔ تب پنڈت جی کو معلوم ہوا کہ دنیا میں روپیہ پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ انسان کی سب سے بڑی دولت تو اُس کی عزت ہے جو انسان اپنی محنت، محبت اور خلوص سے حاصل کرتا ہے۔ اس طرح انھیں اپنے پیشے کی عظمت کا احساس ہوا۔

سوال:۔ اس افسانے کا نام ''عبرت'' کیوں رکھا گیا ہے؟

جواب:۔ اس افسانے کا نام اس لئے ''عبرت'' رکھا گیا ہے۔ کیونکہ منشی جی اور داروغہ جی اور پنڈت جی کے کردار تمام انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ کیونکہ افسانے میں تینوں کردار وضاحت کے ساتھ بیاں کئے گئے ہیں۔ کہ کس طرح سماج میں استحصال کرنے والے لوگ آخر پر ذلت اور بے عزتی پاتے ہیں۔ جبکہ ایمان داری، انصاف، شرافت اور محنت انسان کی عزت میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ جیسا کہ پنڈت جی کے کردار سے واضع ہے۔ ان تینوں کے کردار کو دیکھکر ایک عام آدمی کو ''عبرت'' حاصل کرنی چاہئے۔

۴:۔ درج ذیل اقتباس پڑھکر سوالات کے جوابات لکھیئے؟

''داروغہ جی نے منشائن سے روپے مانگے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔شام تک منشی جی چنگے ہو گئے''

(ا) سوال:۔ منشائن کیوں چھاتی پیٹنے لگی؟

جواب:۔ داروغہ جی نے جب ڈاکٹر کی فیس کے لئے مشائن سے روپے مانگے تو منشائن کو اُسی وقت وہ صندوق یاد آیا۔ جس میں اس نے پیسے رکھے تھے۔ مگر ریل کے ڈبے سے جلد بازی میں اُترنے کے سبب وہ صندوق گاڑھی میں ہی رہ گیا تھا۔ جب اس کے بارے میں معلوم ہوا وہ صندوق اب ہاتھ سے گیا تو منشائن اپنی چھاتی پیٹنے لگی۔

(ب) سوال:۔منشائن کا زیور کیوں بیچا گیا؟

جواب:۔ جب دوسرے دن منشی جی کی دوائی کے لئے روپئے نہیں تھے اگر چہ داروغہ جی نے چوکھے لال کمپوڈر کو بہت منوانے کی کوشش کی وہ اسپتال سے دوائی دے لیکن چوکھے لال نے ایک بھی نہ سنی تب دوائی خریدنے کے لئے منشائن کا زیور بیچا گیا۔

۵:۔ اُوپر دی ہوئی عبارت میں یہ الفاظ مذکر استعمال ہوئے ہیں یا مونث:۔یاد۔نذر۔دوا۔منت

جواب:۔ یہ سبھی الفاظ مونث استعمال کئے گئے ہیں کیونکہ یہ چاروں لفظ ''مونث'' ہیں

یاد=مونث:۔اُسے بکس کی یاد آئی + نذر=مونث:۔چوکھے لال کی نذر کئے۔

دوا=مونث:۔تب انھوں نے دوا دی+منت=مونث:۔داروغہ نے بہت منت کی+

۶:۔ اقتباس میں موجود درج ذیل محاوروں کے معنی لکھئے؟

I:- نذر کرنا= چڑھاوا چڑھانا-بھینٹ چڑھانا-پیش کش کے طور پر کوئی چیز دینا-حوالہ کرنا

II:- ایک نہ سننا=کوئی بات قبول نہ کرنا۔توجہ نہ دینا-کسی بات کی طرح دھیان نہ دینا

III:- چھاتی پیٹنا=سینہ کوبی کرنا-غصہ میں سینہ پیٹنا-ماتم کرنا-غم کو بہت محسوس کرنا

IV:- افاقہ ہونا= بیماری کی تکلیف میں کمی ہونا۔آرام آنا۔ صحت میں آرام ملنا۔ہوش میں آنا

۷:۔ اُوپر دی ہوئی عبارت کا ماحصل اپنے الفاظ میں لکھئے؟

جواب: اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔اُسے اپنا کام یعنی پیشہ ایمانداری، انصاف اور شرافت کے ساتھ انجام دینا چاہئے اور رشوت کبھی نہیں لینا چاہئے۔اگر منشی جی نے بھی چوکھے لال کمپوڈر کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا ہوتا اور اس سے رشوت نہ لی ہوتی تو نہ اسے اپنا بکس کھونا پڑتا اور نہ اسے اپنی بیماری پر دوائی خریدنے کے لئے اپنی بیوی کا زیور بیچنا پڑتا۔

۸:۔ عبرت افسانہ پڑھنے کے دوران آپ کو کس موقعہ پر I دکھ محسوس ہوا II ہمدردی پیدا ہوگئی III ہنسی آگئی۔

جواب:I:۔ مجھے اُس موقعے پر بہت ہی دکھ محسوس ہوا کہ جب پنڈت جی نے ٹھاکر صاحب کو سمجھایا کہ طرح دینے میں ہماری خیریت ہے تو جونہی تیسرا اسٹیشن آیا انہوں نے اس ڈبے سے بیوی بچوں کو نکالا تو ان دونوں مسافروں نے ان کا سامان اُٹھا کو باہر پھینک دیا اور جب داروغہ جی گاڑی سے اُترنے لگے تو ایک نے لات مار کر بے چارے کو اوندھے منہ نیچے گرا دیا۔

II:۔ مجھے اس موقعے پر ہمدردی پیدا ہوئی جب منشی جی درد سے کرار ہے تھے اور چوکھے لال بغیر فیس لئے اُن کا علاج نہیں کرتا تھا نہ کوئی دوا بغیر دام لئے دیتا تھا۔اور ساتھیوں کے پاس پیسہ نہیں تھا اپنے پیسے ریل کے ڈبے میں چھوڑ آئے لہذا اسے اپنی بیوی کا زیور بیچنا پڑا۔

III:۔ مجھے ہنسی اس موقعے پر آگئی جب جگہ کی تنگی اور شراب کے نشے سے ہاضمے میں خرابی ہوئی پیٹ میں درد ہونے لگا تو بے چارے منشی جی

مشکل میں پھنسے۔کہیں ہلنے کی جگہ نہ تھی اور اسہال کے آثار نمودار ہو گئے لکھنو تک ضبط کیا پھر برداشت نہ کر سکے لہذا ایک سٹیشن پر اُتر پڑے۔کھڑے نہ رہ سکتے تھے پلیٹ فارم پر لیٹ گئے۔پیٹ میں مروڑ کے ساتھ قے اور دست شروع ہوئے۔اسٹیشن ماسٹر نے سمجھا کہ ہیغہ ہو گیا ہے لہذا حکم دیا اسکو اسٹیشن سے باہر لے جاؤ۔

۹:۔ آپ کو کون سا کردار زیادہ پسید آیا اور کیوں؟ داروغہ صاحب یا منشی جی یا پنڈت جی۔

جواب: ہمیں اس افسانے مین پنڑت چندر دھر کا کردار پسند آیا۔کیونکہ اس کا پیشہ تمام اچھائیوں اور نیک خصلتوں کا روایت بردار ہے۔اور پنڈت کے کردار میں یہ اچھائی اور نیک خصلت نمایاں ہے۔وہ اپنی زندگی نہایت سادہ طریقے سے گزارتا ہے۔طلباء کے مسائل کے بارے میں فکر مندر ہتا ہے۔وہ علم کا سر چسمہ،انسانی ہمدردی،نیکی اور شرافت کا مجسمہ ہے۔

۱۰:۔ ان کرداروں کے بارے میں پانچ پانچ جملے لکھئے؟ کرپاشنکر۔چوکھے لال۔پنڈت جی۔

جواب: کرپاشنکر:۔ یہ پنڈت جی کا پرانا شاگرد رہا ہے۔اس کا باپ اس علاقے کا ڈاک منشی رہا ہے جہاں پنڈت جی سکول میں مدرس تھے۔ان ہی دنوں میں کرپاشنکر پنڈت جی کے پاس پڑھتے تھے۔اس لئے استاد کو دیکھ کر کوش ہوئے اس کے پیر چھو لئے۔تین دن تک پنڈت جی اور اس کے ساتھیوں کو گھر میں رکھکر خدمت کی۔

چوکھے لال:۔ چوکھے لال بلہور کا رہنے والا تھا۔وہ ایک کمپونڈر تھا اور ڈسٹرکٹ شفاخانے میں نوکری کرتا تھا۔منشی جی سے بدلہ لینے کے لئے اس سے علاج کی فیس لی۔اور دوایئوں کے پیسے نقد وصول کئے اور منشی جی کو رشوت لینے کی سزا دی۔

پنڈت جی:۔ پنڈت جی ایک اپر پرئمری اسکول کے مدرس تھے۔پنڈت جی شریف،ایماندار اور انصاف پسند انسان تھے۔ہمیشہ اپنے پیشے سے مطمئن نہ تھے۔بلکہ اس محکمے میں جانا چاہتے تھے جہاں معقول تنخواہ ملے۔اجودھیا کے سفر نے انھیں اپنے پیشے کی عظمت کا حساس دلایا پھر پنڈت جی نے کبھی اپنی تقدیر کا شکوہ نہیں کیا۔

۱۱:۔ ''عبرت'' افسانے کا خلاصہ تحریر کریں۔

جواب: یہ افسانہ پریم چند کا لکھا ہوا ہے۔اس سبق آموز افسانے میں اس بات کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ سماج میں موجود استحصال کرنے والے لوگ آخر پر کس طرح ذلت اور بے عزتی پاتے ہیں۔ایمانداری،انصاف اور شرافت انسان کی عزت و آبرو کو بڑھا دیتی ہے۔دنیا میں کوئی پیشہ ذلیل نہیں ہے۔بلکہ انسان بُرے کاموں سے اپنے پیشے کو ذلیل کرتا ہے۔پنڈت چندر دھر۔ٹھاکر کراتی بل سنگھ اور منشی بیج ناتھ ایک دوسرے کے ہمسائیگی میں رہتے ہیں

پنڈت جی ایک اپر پرائمری اسکول میں استاد ہوتا ہے۔اور وہ اپنے پیشے سے خوش نہیں ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اگر کسی دوسرے محکمے میں ہوتے تو وہاں تنخواہ اچھی ملتی اور زندگی بھی ہماری عیش و عشرت میں بسر ہوتی۔اس کے برعکس داروغہ صاحب اور منشی جی دونوں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ان کے گھروں میں ہر وسم کا ساز و سامان' نوکر چاکر میسر ہوتے ہیں۔وہ دونوں جب شام کو گھر آتے ہیں تو اپنے بچوں کے لئے مٹھائی وغیرہ لے آتے ہیں جب کہ پنڈت جی ایسا نہیں کر پاتا حالانکہ

اُنھیں پنڈت جی جیسا علم نہیں اور نہ تنخواہ زیادہ ہے۔ پھر بھی وہ چین سے زندگی گزارتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی کبھی جق ہمسائیگی کے طور پنڈت جی کے گھر ایک آدھ سیر دودھ اور سبزیاں ازراہ ترحم بھجوا دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں پنڈت جی کو ان دونوں ٹھاکر صاحب اور منشی جی کے لڑکوں کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ پنڈت جی کئی بار محکمہ تعلیم سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی مراد پوری نہیں ہوتی۔ البتہ اس بات کا اثر ان کے فرائض پر نہیں پڑتا۔ وہ بچوں کو دل لگا کر پڑھاتے ہیں۔ منشی جی اور ٹھاکر صاحب برسات کے موسم میں ایودھیا جانے کا پروگرام بناتے ہیں اور پنڈت جی کو بھی اپنے ساتھ آنے کے لئے کہتے ہیں۔ بلہور سے گاڑی رات کے ایک بجے نکلنے والی ہوتی ہے لہذا یہ تینوں اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیکر شام کو ہی اسٹیشن پہنچ جاتے ہیں گاڑی آتے ہی دھکم دھکا شروع ہوتی ہے اور یہ الگ الگ ڈبوں میں بیٹھ جاتے ہیں داروغہ اور پنڈت جی جس ڈبے میں چڑھ جاتے ہیں وہاں صرف دو آدمی لیٹے ہوتے ہیں اور اس طرح سے داروغہ اور پنڈت کو کھڑا رہنا پڑتا ہے ٹھاکر سخت لہجے میں ایک مسافر سے کہتا ہے کہ ہمیں تھوڑی سی جگہ بیٹھنے کے لئے دو۔ اس پر مسافر کہتا ہے کہ یہ آپ کا تھانہ نہیں ہے جہاں آپ رعب جما سکیں۔ ٹھاکر کے پوچھنے پر وہ کہتا ہے کہ میں وہی خفیہ فروش ہوں جس کو آپ نے گرفتار کیا تھا اور پچیس روپے لیکر چھوڑ دیا تھا۔ آج اس کا بدلہ لوں گا۔ اس پر دوسرا مُسافر ہنس کر کہتا ہے کہ یہ آپ کا تھانہ نہیں ہے۔ جہاں آپ اپنا رعب جما سکو۔ ٹھاکر کے پوچھنے پر اس مسافر نے کہا کہ اسی میلے میں آپ نے مجھے کئی ڈنڈے مارے تھے تب آپ کے ساتھ بہت سے سپاہی تھے اور میں خاموش رہا لیکن زخم ابھی تازہ ہے خاموشی سے کھڑے رہو ورنہ میں آج آپ سے بدلہ لونگا پنڈت جی نے ٹھاکر کو سمجھایا اور اگلے اسٹیشن پر اس ڈبے سے اہل وعیال کو نیچے اتارا۔ جب ٹھاکر اُترنے لگے تو ایک مسافر نے دھکا مار کر انہیں پلیٹ فارم پر اوندھے منہ گرا دیا اور ان کا سامان بھی باہر پھینک دیا۔ ادھر دوسرے ڈبے میں بھی منشی جی کی بری حالت تھی زیادہ پی گئے تھے ہاضمہ خراب ہوا اور دست وقے ہونے کا اندیشہ تھا انھیں بھی اگلے اسٹیشن پر مجبوراً اترنا پڑا اور پلیٹ فارم پر ہی لیٹ گئے۔ بیوی بھی گھبرا گئی جلدی میں اُتری اور صندوق اتارنا بھول گئی۔ منشی کی حالت جب زیادہ خراب ہوئی تو شفاخانہ پہنچایا گیا وہاں جو کمپونڈر تھا وہ منشی جی کو پہنچان گیا جو اس سے ہمیشہ لگان داخل کرتے وقت رشوت لیتا تھا اس نے بھی آج پیسے لیکر دوائی دی اور علاج کیا حالانکہ منشائین کو اپنے زیور بھی بھیجنے پڑے۔ جب یہ لوگ اجودھیا پہنچ جاتے ہیں تو وہاں جگہ نہ ملی پریشان ہو گئے مگر وہاں پر پنڈت جی کو ایک شاگرد ملتا ہے جو ان کو اپنے گھر لے جاتا ہے ان کی خدمت تین دن تک کرتا ہے اور رخصت کرتے وقت پیر چھوتا ہے۔

گرامر:۔ وہ لفظ جس سے کسی اسم کی حالت، کیفیت یا کمیت ظاہر ہو جائے۔ صفت کہلاتا ہے۔ صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو محدود کر دیتی ہے مثلاً بے کار لوگ' جاہل آدمی' سرد پانی ان تینوں مرکبوں میں بے کار۔ جاہل۔ سرد صفت ہیں اور لوگ۔ آدمی اور پانی موصوف ہیں اسم صفت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) صفت ذاتی (۲) صفت نسبتی (۳) صفت عددی (۴) صفت مقداری (۵) ضمیری

مرکب توصیفی:۔ وہ مرکب جو صفت اور موصوف سے مل کر بنے مثلاً ٹھنڈا پانی۔ گرم روٹی۔ نیک لڑکا ان جملوں میں ٹھنڈا۔ گرم۔ نیک

''صفت'' ہیں پانی۔روٹی۔لڑکا موصوف ہیں۔فارسی اور عربی زبان میں موصوف پہلے اور صفت بعد میں آتا ہے مثلاً آب گرم۔ مردمجاہد

۱۲:۔ مثال دیکھ کر مرکب توصیفی بنائیے جیسے چالاک+کوّا= چالاک کوّا، سفید گھوڑا+سرخ اونٹ+اونچا درخت+ٹھنڈا پانی+کورا کاغذ وغیرہ۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
عبرت	نصیب پکڑنا	مدرسی	معلّمی۔پڑھانا	ناحق	حق کے خلاف۔بے فائدہ	جنجال	سختی۔جھگڑا۔آفت
صیغہ	محکمہ۔شعبہ	بسر ہونا	گذرنا۔انجام کو پہنچنا	سکھ	آرام۔چین	پڑوس	ہمسایہ۔محلّہ داری
سیاہہ نویس	حساب لکھنے والا	کچہری	عدالت۔انصاف گاہ	خدمت گار	نوکر۔خدمتی	رُعب	ڈر۔دبدبہ۔جلال
غالب	زبردست۔جیتا ہوا	بنیئے	بقال۔آٹا بیچنے والا	نرخ	بھاؤ۔قیمت	ایندھن	جلانے کی چیز
مجمع	لوگوں کا جمع ہونا	ٹھاٹ	دھوم دھام سے	کڑھنا	دل دکھنا۔افسوس کرنا	کوسنا	بُرا بھلا کہنا
لیاقت	قابلیت۔دانائی	پاسنگ	تھوڑا۔بہت کم	چین	راحت۔آرام	ازراہ ترحم	رحم کی نظر سے
عوض	بدلہ۔معاوضہ	لونڈے	لونڈا کی جمع۔چھوکرا	مربیانہ	پرورش و ترتیب کرنا	زرخرید	روپئے سے خریدا ہوا
غلام	داس۔خدمتی	دل مسوس کر رہ جانا	غم ہونا۔افسوس کرنا	ناراض	ناخوش۔رنجیدہ	بدولت	باعث۔سبب
جنس	چیز۔اناج	تحکم	زبردستی۔زورآوری	زہر کے گھونٹ پینا	غصے کو ضبط کرنا	خوشامد کرنا	جھوٹی تعریف کرنا
مراد	ارادہ۔خواہش	بددلی	ناراضگی۔بدگمانی	منصبی	مرتبہ۔حاکمی	غفلت	بے خبری۔بھول چوک

اُوسر کی کھیتی	بنجر زمین کی کھیتی	بھاگ	قسمت۔ورثہ	جان دینا	جان فدا کرنا۔ مرنا	پانی بھر دینا	خدمت کرنا
پتیاں	پتے۔سبزی	جاترا	زیارت کا سفر	صلاح	رائے۔مشورہ	مع	ہمراہ۔سمیت
دبدھے	شک وشبہ۔ تذبذب	آفت	بلا۔مصیبت	کرخت	سخت۔تیز	ہوش کی باتیں کرنا	عقل حاصل کرنا
خفیہ فروش	چھپا کر بیچنے والا	ٹل جانا	ہٹ جانا۔ غائب ہونا	رعایت	پاس۔لحاظ	غصے سے لال ہونا	بہت ناراض ہونا
قوی ہیکل	بھاری بھرکم جسم والا	ملائمت	نرمی۔نزاکت	مشخیت	بزرگی۔گھمنڈ	عداوت	بغض۔کینہ
ضبط کرنا	روکنا۔نگرانی کرنا	ٹھاکر	راجپوت۔زمیندار	ہیٹا	کمی۔کم درجے کا	سر پر شیطان سوار ہونا	بہت غصہ چڑھنا
مار پیٹ	زدو کوب۔ مار کٹائی	طرح دینا	توجہ نہ کرنا۔ٹالنا	شیطان	نافرمان۔مردود	گارڈ	ریل گاڑی کا ذمہ دار
اوندھے منہ گرنا	ندامت اُٹھانا	فریاد	شور۔آہ ونالہ	ہاضمہ	ہضم کرنے کی قوت	فتور	خلل۔خرابی
اسہال	دست۔ پتلا پاخانہ	یارائے ضبطہ	برداشت کی طاقت	پڑاؤ ڈالنا	ٹھہر جانا۔رُکنا	نشنج	اینٹھن۔کھیچاؤ
داروغہ	محافظ۔نگران	تشویش	پریشانی۔گھبراہٹ	مروڑ	خم۔اینٹھن	منت سماجت کرنا	عاجزی اور التجا کرنا
تسکین	آرام دینا۔تسلی	دوڑ دھوپ	تلاش وجستجو	ڈولی	زنانہ پردہ دار سواری	بندوبست	انتظام۔حد بندی
ڈہرہ جمانا	قیام کرنا۔ گھر بنانا	درشن ہونا	دیدار ہونا ۔ ملاقات	نوچ کھسوٹ	لوٹ مار۔ غارتگری	منشائں	منشی کی مونث
قوت امتیاز	فرق کرنے کی صلاحیت	گزر بسر کرنا	دن کاٹنا۔ پورا کرنا	عظمت	بزرگی۔ قدرو منزلت	جناب من	حضور والا۔ میرے قبلہ

موازنہ کرنا	ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا	لت پت	آلودہ۔خستہ حالی	خاطر مدارت	مہمانداری۔ تواضع	آثار	اثر کی جمع۔علامت
تغیر ہونا	تبدیلی ہونا۔ انقلاب	چاکر	نوکر۔ملازم	مزاج	طبیعت۔خصلت	کانسٹبل	پولیس کا سپاہی
تقدیر	اندازہ۔قسمت	شرافت	بزرگی۔ان نیت	شکوہ	گلہ۔شکایت	تھانہ	پولیس کی چوکی

قصیدہ پر مختصر نوٹ

قصیدہ کے لغوی معنی ''مغز یا گودے'' کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ اشعار جن میں کسی کی تعریف' ہجو یا شکایت زمانہ ہو ''قصیدہ'' کہلاتا ہے۔ قصیدے کے اشعار کا مضمون مسلسل ہوتا ہے یعنی ایک شعر کا مطلب دوسرے شعر سے مربوط ہوتا ہے۔ قصیدے کے الفاظ شاندار اور بلند ہوتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات کے علاوہ مضمون کی بلندی اور زور بیاں بھی قصیدے کے لئے لازم ہے۔ اشعار کی تعداد کم از کم پندرہ اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو تک ہوتی ہے۔ غزل کی طرح قصیدہ کا بھی پہلا شعر ''مطلع'' کہلاتا ہے۔اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے ''مطلع'' سے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اس میں بھی غزل کی طرح کئی مطلعے آتے ہیں۔قصیدہ کسی عظیم الشان مقصد کے لئے لکھا جاتا ہے جو طویل اور مسلسل ہوتا ہے۔قصیدے میں زبان' مضمون کا انتخاب شاندار و پُر شکوہ الفاظ' بلاغت اور جدّت بیاں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔قصیدے عام طور پر دو طرح کے ہوتے ہیں ا:۔ خطابیہ ۲:۔ تمہیدیہ

خطابیہ قصائد میں شاعر ابتدا سے ہی بغیر کسی تمہید کے مقصد بیاں کرنا شروع کر دیتا ہے۔اس کے برعکس تمہیدیہ قصائد میں تمہید جسے ''تشبیب'' کہتے ہیں بیان کرنے کے بعد شاعر اصل مقصد یعنی مدح سرائی پر آتا ہے۔عموماً تمہیدیہ قصیدے لکھے گئے ہیں۔جن کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔ ا:۔مطلع ب:۔تمہید یا تشبیب ج:۔گریز د:۔مدح ۃ:۔دعا

ا:۔ تمہید یا تشبیب میں مطلع کے فوراً بعد چند ایسے اشعار آتے ہیں جن میں شاعر اصل مقصد بیاں کرنے سے پہلے تمہید کے طور پر موسم بہار یا کسی ایسے موضوع کا ذکر کرتا ہے جس سے سننے والا دلچسپی کے ساتھ سننے کے لئے متوجہ ہو جائے۔

ب:۔ گریز قصیدہ کا وہ جز ہے جو تشبیب اور مدح کے درمیاں دو تین اشعار میں یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ شاعر اب اصل مقصد یعنی مدح سرائی کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔اسے ہم رجوع بھی کہتے ہیں۔

ج:۔ مدح یہ قصیدے کا سب سے اہم جز و ہوتا ہے۔جس میں شاعر اپنے ممدوح کی مدح سرائی کرتا ہے اور اس کی خوبیاں طرح طرح سے بیان کرتا ہے۔

د:۔ دعاء یہ قصیدے کا آخری جز و ہوتا ہے اس کو خاتمہ بھی کہتے ہیں اس میں شاعر ممدوح کے لئے دعا کرتا ہے اور اپنے لئے انعام وکرام کی اشاراۃ خواہش کرتا ہے۔

اردو شاعری میں بہت سے شعراء نے قصیدے لکھے ہیں مگر محمد رفیع سوداؔ اور شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کے قصائد بہت ہی مشہور ہیں۔ یہ دونوں شعراء قصیدے کے شہنشاہ کہلاتے ہیں۔

سوال:۔ محمد رفیع سوداؔ پر مختصر نوٹ لکھیے؟

جواب:۔ مرزا محمد رفیع نام اور سوداؔ تخلص تھا۔ ۱۷۱۳ء کو بمقام دلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرزا محمد شفیع بسلسلہ تجارت کابل سے دلی آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ سوداؔ نے اپنے زمانے کے لائق اُستادوں سے تعلیم حاصل کی۔ بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ پہلے سلیمان قلی داؤد اور پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ مگر جب خان آرزوؔ سے فیض حاصل کیا تو اُن ہی کے مشورے سے اُردو میں شعر کہنے کی مشق شروع کی۔ سوداؔ کی شاعری کا شہرہ دلی سے نکل کر بیرونی علاقوں تک پہنچا۔ سوداؔ ان شاعروں میں سے تھے جو ہر قسم کی شاعری میں کمال رکھتے تھے۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، ہجو اور رباعی وغیرہ سب کچھ ان کے دیوان میں موجود ہے۔ لیکن اُنھیں سب سے زیادہ کمال قصیدہ، ہجو اور مرثیہ نگاری میں حاصل تھا۔ قصیدہ کے تو وہ بادشاہ کہے جاتے ہیں۔ اُن کی نظمیں بھی خاص شہرت رکھتی ہیں۔ خصوصاً شہر آشوب والی نظم جس سے اُس زمانے کی زبون حالی کا پتہ چلتا ہے۔ جب دلی اُجڑنے لگی تو مجبوراً سوداؔ کو بھی ترکِ وطن کرنا پڑا۔ پہلے فرخ آباد پھر وہاں سے ٹانڈے کے نواب کے یہاں چلے گئے۔ کچھ دنوں وہاں رہ کر فیض آباد کی طرف چلے گئے۔ وہاں کے حکمران نواب آصف الدولہ نے بہت قدر کی۔ اُنھی کے ہمراہ فیض آباد سے لکھنؤ آئے۔ اور وہیں ۱۷۸۰ء کو انتقال کیا۔ سودا کی شاعری کا ایک مخصوص انداز تھا۔ جس میں دردمندی کی جگہ شوخی، سوز و گداز کی جگہ نشاط اور سادگی کی جگہ پُرکاری نمایاں ہے۔

قصیدہ شہر آشوب

شعر نمبر ۱:۔ اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے دعویٰ نہ کرے یہ کہ میرے مُنہ میں زبان ہے

تفہیم الفاظ:۔ پیر = بوڑھا - بزرگ + جوان = نوعمر۔ بہادر + دعویٰ = درخواست - نالش - خواہش

تشریح:۔ سوداؔ اس شعر میں صنعت تعلّی برتتے ہوئے خود اپنے شاعرانہ کمال کی تعریف کرتے ہیں کہ سوداؔ کا کلام اس قدر مکمل اور بہترین ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اور اس وقت جتنے بھی شاعر موجود ہیں چاہے وہ جوان ہیں یا بوڑھے ہیں کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ اس کے مُنہ میں بھی زبان ہے۔ یعنی وہ سوداؔ سے بہتر شاعری کر سکتا ہے۔

شعر نمبر ۲:۔ میں حضرت سوداؔ کو سُنا بولتے یارو! اللہ رے اللہ رے! کیا نظم بیاں ہے

تفہیم الفاظ:۔ یارو = اے دوست - ارے ساتھی + اللہ رے = کلمہ حیرت و تحسین - تعجب کے ساتھ + حضرت = قبلہ - جناب - حضور + سوداؔ = دیوانگی - شاعر کا تخلص + نظم بیان = بیان کی خوبی اور سلیقہ

تشریح:۔ اگرچہ شاعر نے شعر خود کہا ہے لیکن تاثیر پیدا کرنے کے لئے کسی اور سے یہ بات کہی ہے کہ میں نے جب سوداؔ کا کلام اُن کی

زبانی سُنا تو میں اس قدر متاثر ہوا کہ باقی شاعروں کا کلام کمزور لگا۔ واہ' سبحان اللہ سوداؔ کی شاعری کی روانی اور بیاں کی خوبی کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

شعرنمبر۳:۔ اتنا میں کیا عرض کہ فرمایئے حضرت آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے

تفہیم الفاظ:۔ عرض = درخواست - التجا + طرح = صورت - شکل + یاں = یہاں - اس شہر دلی میں +

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ اسی دوران کسی شخص نے حضرت سوداؔ سے التجا کی ہمیں اس وقت اس شہر کی حالت بتا دیجئے کیونکہ یہ شہر یعنی دلی غدر کے حالات سے گذر رہا ہے۔ کیا اس شہر میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی زندگی آرام اور راحت سے گذر رہی ہو یا جس نے مصیبت کا سامنا نہ کیا ہو۔

شعرنمبر۴:۔ سُن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زبان ہے

تفہیم الفاظ:۔ امر = کام - حکم - ہمیشہ رہنے والا + قاصر = مجبور - لاچار - عاجز + فرشتہ = مقدس مخلوق - ملک

تشریح:۔ سوداؔ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ اے نادان خاموش ہو جا۔ اس بات کا جواب فرشتے بھی نہ دے سکیں گے۔ حالانکہ فرشتے دن رات خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ نے اُن کو ہر ایک بات سے باخبر رکھا ہے۔ مگر دلی کے حالات اتنے ابتر ہے کہ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔

شعرنمبر۵:۔ کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل ہے وجہ معاش اپنی' سو جس کا یہ بیاں ہے

تفہیم الفاظ:۔ شکل = چہرہ - صورت - طریقہ + وجہ معاش = روزی کمانے کا طریقہ + سو = طرف + بیان = گفتگو

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ غدر کے زمانے میں دلی میں ایک عجیب قسم کی افراتفری کا ماحول ہے۔ ساری معشیت تباہ ہو چکی ہے۔ اور یہاں مختلف لوگوں کے مختلف پیشے ہیں۔ میں کیا بتاؤں کہ بہت سارے لوگوں کو روزی روٹی حاصل کرنے کے لئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے بھی لوگ ہیں جن کے لئے دو وقت کی روٹی ملنا بھی مشکل ہے۔ اب مختلف پیشوں کا ذکر کرونگا۔

شعرنمبر۶:۔ گھوڑا لے' اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ کسو کی = کسی کو - جس کی - کس کا + عالم بالا = آسمان - اُونچا مقام + نشان = آثار - علامت +

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں سب کی معاشی حالت بہت خراب ہے۔ رُوزی روٹی کمانا مشکل تریں کام بن گیا ہے۔ اگر کسی کا پیشہ سپاہ گری ہے اور وہ کسی کی نوکری کرتا ہے۔ تو اُس کو تنخواہ نہیں ملتی ہے۔ تنخواہ آسماں پہ جا کر ملتی ہے۔ اور وہاں پہنچ پانا اس کے بس میں نہیں ہے۔

شعرنمبر۷:۔ گزرے ہے سدا یوں حلف و دانہ کی خاطر شمشیر جو گھر میں تو سپر بینے کے ہاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ سدا = ہمیشہ - ہر وقت + علف = گھاس - گیّا + دانہ = اناج - غلہ - بیج + خاطر = دل - مزاج - مرضی + شمشیر = تلوار - تیغ + سپر = آڑ - ڈھال + بنیا = بقال - آٹا دال بیچنے والا

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ دلی میں آج کے اس دور میں سپاہی اور اس کے گھوڑے کے لئے غذا اور گھاس تک میسر نہیں۔ اگر چہ انسان اپنی پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے صبح سے شام تک بڑی محنت کرتا ہے پھر بھی کھانے کو نہیں ملتا ہے اس لئے اپنی ڈھال کو بقال کے پاس گروی رکھ کر اپنے لئے تھوڑا سا اناج اور گھوڑے کے لئے گھاس حاصل کر پاتا ہے۔ اگر چہ تلوار اپنے پاس رکھتا ہے۔

شعر نمبر ۸:۔ سوداگری کیجئے' تو ہے اس میں مشقّت دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے

تفہیم الفاظ:۔ سوداگری = تجارت - کاروبار - بیوپار + مشقّت = محنت - ریاضت - مزدوری + دکھن = دکن - جنوب + بکنا = فروخت کرنا + خریدنا = مول لینا - حاصل کرنا + اصفہاں = ایران کے ایک شہر کا نام +

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ اس دور میں سوداگروں اور تجارت پیشہ افراد کا حال بھی بہت برا ہے۔ جنھیں بہت محنت و مشقّت کرنے کے باوجود مال اصفہاں سے خرید کر جنوب میں فروخت کرنا پڑتا ہے۔

شعر نمبر ۹:۔ شاعر جو سُنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال دیکھے جو کوئی فکر و تردّد کو تو یاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ تُردد = فکر - سوچ - اندیشہ + فکر - ڈر - خوف + مستغنی الاحوال = بے پراو - جس کو کسی کی پروا نہ ہو

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ پہلے پہل جب شاعروں سے اُن کا کلام سنتے تھے تو انسان دنیا کے غموں سے آزاد ہو جاتا تھا۔ کیونکہ شاعر خود فکر اور پریشانی سے بے پروا ہوتے تھے۔ تبھی اُن کی صحبت میں بیٹھنے سے فکر و غم دور ہو جاتے تھے اس کے برعکس آج کل کے دور میں شاعر خود پریشان حال ہیں وہ خود دُکھ، درد اور فکر و غم میں مبتلا ہو چکے ہیں خود ان کا کلام فکر و تردّد سے بھرا ہوا ہے وہ راحت نہیں دے سکتے۔

شعر نمبر ۱۰:۔ مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس ملنا اُنھیں اُن سے جو فلاں ابن فلاں ہے

تفہیم الفاظ:۔ مشتاق = منتظر - خواہاں + ملاقات = ایک دوسرے سے ملنا - میل جول + کس = آدمی - شخص + ناکس = بُرا شخص - آدمی کے بغیر والی ذات + فلاں = اشارہ - شخص + ابن فلان = کوئی شخص - کسی کا بیٹا +

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ دلی شہر کی حالت اب اتنی خراب ہو چکی ہے کہ کوئی کسی کو پوچھتا تک نہیں ہے نہ کوئی کسی سے واسطہ رکھنا چاہتا ہے لوگ صرف اُن سے ملنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ جن کے پاس دولت ہو یا حکومت کے کارندے ہوں۔ ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

شعر نمبر ۱۱:۔ گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے دوگانہ نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے

تفہیم الفاظ:۔ عید = جشن - خوشی کا تہوار + دوگانہ = دو رکعات کی نماز + نیت = ارادہ - مراد + قطعۂ = ٹکڑا - حصہ - شاعری کی ایک قسم + تہنیت = خوشی - مبارک بادی + خان زمان = بہت بڑا امیر - حاکم

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ آج کل خوشامد اور چاپلوسی کا دور دورہ ہے۔ لالچی اور خوشامدی لوگوں کی یہ عادت بن گئی ہے کہ جب وہ عید نماز کی دو واجب رکعتیں پڑھنے کے لئے عیدگاہ یا مسجد میں جاتے ہیں تو اس وقت بھی حاکم وقت اور اُمراء کی شان میں قطعہ تہنیت یا

مبارکبادی کے چند کلمات سنانے کی فکر میں لگے ہوتے ہیں۔تا کہ کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل کرسکیں۔

شعرنمبر۱۲:۔ مُلائی اگر کیجئے تو مُلّا کی ہے یہ قدر ہوں دوروپے اُس کے جوکوئی مثنوی خواں ہے

تفہیم الفاظ:۔ مُلّائی=ملّا کا پیشہ۔مالش+ملّا=مسجد میں رہنے والا۔بچوں کوقرآن پڑھانے والا+قدر=عزت۔رتبہ۔اندازہ+مثنوی خواں=داستان یامثنوی لکھنے والا منظوم قصے پڑھنے اور پڑھانے والا۔

تشریح:۔ سودا کہتے ہیں کہ زمانہ کچھ اس طرح سے بدلا ہے کہ اب مولوی اورامام صاحبان کی بھی کوئی قدر نہیں رہی ہے۔البتہ جب وہ کسی کومثنوی مولانا روم سے چند شعر سناتا ہے یا کوئی اورقصہ سناتا یا کسی کی بے جاتعریف کرتا ہے۔تب معاوضے کےطور پر دوروپے حاصل کرپاتا ہے۔

شعرنمبر۱۳:۔ اور ماحضر اَخوند کا اب کیا میں بتاؤں اِک کاسہ دالِ عدس وجو کی دو نان ہے

تفہیم الفاظ:۔ ماحضر=کھانا۔جو کچھ کھانے کے لئے موجود ہو+اَخوند=اُستاد۔مدرس۔پڑھانے والا+کاسہ=پیالہ۔برتن+عدس=ایک قسم کی دال۔مُسور کی دال+جو=ایک قسم کا اناج+نان=بڑی تندوری روٹی۔

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ اس وقت دلی کی یہ حالت ہوئی ہے۔جو استاد قوم کا معمار ہوتا ہے اس بے چارے کو دووقت کی روٹی تک نہیں ملتی اس کی خستہ حالت کا ذکر کیا کروں دن رات محنت کرنے کے باوجود اسے صرف دو جو کی روٹیاں اور مسور کی دال کا ایک پیالہ ملتا ہے۔

شعرنمبر۱۴:۔ دن کو تو وہ بیچارہ پڑھایا کرے لڑکے شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ بیچارہ=سیدھا سادہ۔غریب۔مفلس+شب=رات۔رین۔تاریکی+خرچ=اخراجات+ہندسہ=علم ریاضی کی ایک شاخ۔رقم۔گنتی+ہندسی دان=حساب وکتاب جاننے والا

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں استاد کو جو یہ دوروٹیاں اور دال کا ایک پیالہ حاصل ہوتا ہے جب بے چارہ دن بھر مکتب میں طالب علموں کو پڑھاتا ہے اور رات بھر وہ دیگر کاروباری لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کی آمدنی اور اخراجات کا حساب وکتاب لکھتا رہتا ہے بشرطیکہ وہ حساب وکتاب لکھنا جانتا ہو یعنی وہ ماہر حساب بھی ہو۔

شعرنمبر۱۵:۔ اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات آرام جو چاہئے وہ کرے وقت کہاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ اوقات=وقت کی جمع۔زمانہ۔حیثیت+انصاف=عدل۔داد+آرام=سکھ۔چین۔

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ جس استاد کی ایسی حالت ہو اور اتنی معمولی حیثیت ہو اور دن رات کی محنت ہو تو وہ آرام کی زندگی کیسے گذار سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔

شعرنمبر۱۶:۔ چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت چھٹتے ہی تو شعرا کا وہ مطعون زبان ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ شیخ=پیر۔مرشد۔پیشوا+بہر=تک۔لئے۔واسطے+فراغت=آرام۔نجات۔چھٹکارہ+شعرا=شاعر کی جمع۔شعر کہنے

والے+مطعوں = شیطان۔جس کو طعنہ دیا جائے + زبان = اقرار۔بول چال۔

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ پیرومرشد یا مولانا کا اس سے بھی بُرا حال ہے۔جونہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص وعظہ دینے لگا ہے یا پرہیزگار بن گیا ہے یا گناہوں سے بچتا ہوا صاف ستھری زندگی گزارنے لگا ہے تو لوگوں کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔ خاصکر شاعر فوراً اس پرطنز کے تیر چلانا شروع کرتے ہیں اور نکتہ چینی کرنے میں سب سے آگے رہتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۷:۔ تحقیق ہوا عُرس تو کر واڑھی میں کنگھی نے خیلِ مُریدان گئے وہ بزم جہاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ تحقیق =معلوم ہونا۔خبر ہونا+عُرس = بزرگوں اور مرشدوں کی سالانہ فاتحہ کی تقریب+خیل = جماعت۔ٹولی۔گروہ+ مریداں =شاگرد۔فرمانبردار+ بزم =محفل۔مجلس+ جہاں =جس جگہ

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں ان پیرومرشد یا درویشوں کا حال بھی کچھ عجیب ہے اگر اُنھیں کسی جگہ پر کسی صاحب مزار کے عُرس یا سالانہ تقریب کی خبر ملتی ہے تو سج دھج کر اپنی داڑھی میں کنگھی کر کے اپنے شاگردوں کی جماعت لیکر وہاں پہنچ پاتے ہیں اور خود میر محفل بن کر ایک عیش کی مجلس سجاتے ہیں۔

شعر نمبر ۱۸:۔ ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد کوئی کودے کوئی رودے کوئی نعرہ زنان ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ ڈھولک = چھوٹا ڈھول۔طبلہ+ وجد = ذوق وشوق کی حالت+نعرہ زنان = للکارنا۔نعرہ دینا

تشریح:۔ سوداؔ فرماتے ہیں کہ جب اس عرس میں قوالی کی محفل سجتی ہے اور قوال ڈھولک پر تھاپ دیکر گانا شروع کرتے ہیں تو تمام حاضریں پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔یعنی ذوق وشوق کے ساتھ سبھی جھومنے لگتے ہیں اور ایک عجیب قسم کا سماں بندھ جاتا ہے۔کوئی ناچنے لگتا ہے۔کوئی روتے روتے آہ وزاری کرتا ہے کوئی زورزور سے نعرے بلند کرتا ہے جیسے ڈھولک کی ڈم ڈم نے جادو کیا ہے

شعر نمبر ۱۹:۔ بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آ کر سرگوشیوں میں پھر بداصولی کا بیاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ بے تال = بےسُر۔بےراگ۔بےآواز+ ٹک = ذرا۔تھوڑا۔معمولی+سرگوشی =چغلی۔کانا پھوسی۔

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ جب اس عرس کی محفل میں جب پیرومرشد وجد میں آکر بے قابو ہوجاتے ہیں۔تو کانا پھوسی کے انداز میں بے اصولی کی باتیں کی جاتی ہے کہ اس طرح فریب کاری سے کام کیا جائے اور پھر لوگوں کو ٹھگنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ وجد کی کیفیت کو طاری کرنا ایک دکھاوا ہوتا ہے۔

شعر نمبر ۲۰:۔ آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال جمعیت خاطر کوئی صورت ہو، کہاں ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ احوال = حال کی جمع۔بیاں+ جمعیت خاطر = اطمینان۔دلی سکون+صورت =شکل۔ذریعہ۔موقعہ۔

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں میں نے آپ کو دلی شہر کا مختصر سا احوال سنایا اور آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ کس طرح ہر ایک شخص کی زندگی مشکلاتوں سے دوچار تھی۔انسان کو آرام ملے یا تھوڑا سا سکوں نصیب ہوا یسی کوئی صورت تو نظر نہیں آتی ہے۔اور نہ کوئی ایسا ذریعہ نظر آتا ہے

جس سے دل کو سکون ملے۔

شعر نمبر ۲۱:۔ دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام عقبیٰ میں، یہ کہتا تھا کوئی، اس کا نشان ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ آسودگی = اطمینان۔ آرام + فقط = بس۔ صِرف + عقبیٰ = مرنے کے بعد کی زندگی۔ آخرت۔

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر ایک شخص کو روزی اور روٹی کمانے کی فکر اور پریشانی نے جکڑ رکھا ہے۔ لہذا آرام کہاں میسر ہوگا۔ بلکہ دنیا میں خوشحالی، آرام اور مسرت تو بس نام کے لئے ہے۔ اس دنیا میں سکون اور اطمینان قلب کہاں میسر ہے۔ ہاں اب کوئی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جو زندگی انسان کو میسّر ہوگی وہاں انسان کو آرام اور اطمینان حاصل ہوگا۔ وہاں کسی قسم کی فکر اور پریشانی نہیں ہوگی۔

شعر نمبر ۲۲:۔ سُو اُس پہ تیَقّن کسی کے دل کو نہیں ہے یہ بات بھی، گونیدہ ہی کا محض گمان ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ تیَقّن = یقین کرنا۔ بھروسہ رکھنا + گوئندہ = کہنے والا۔ بات کرنے والا + محض = صرف۔ فقط + گماں = شک۔ شبہ۔ وہم

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ اس بات پر کسی کو یقین ہی نہیں ہے کہ ہمیں عقبیٰ میں آرام اور سکون ملے گا۔ بلکہ جس نے بھی یہ بات کہی ہے۔ میرے خیام میں یہ صرف اس کا وہم ہے۔ حالانکہ مرنے کے بعد والی زندگی پر بہت کم لوگوں کا یقین اور ایمان ہے۔ بلکہ اکثر تو اس کے منکر ہیں۔ اب جو لوگ اس بات پر یقین کئے ہوئے ہیں۔ وہ صرف ظن وتخمین اور مذہنی اعتقاد کی بنیاد پر کرتے ہیں ورنہ ہم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کی وہاں کہ زندگی کیسی ہوگی۔

شعر نمبر ۲۳:۔ یاں فکر معیشت ہے واں تو دغدغہ حشر آسودگی حرفیست نہ وہ یاں ہے نہ واں ہے

تفہیم الفاظ:۔ فکر معیشت = روزی روٹی کمانے کی فکر + دغدغہ = خوف۔ ڈر۔ کھٹکا + حشر = قیامت۔ روز حساب + حرفیست = صرف ایک لفظ ہے یعنی فقط کہنے کی بات ہے + یاں = یہاں۔ واں + وہاں۔

تشریح:۔ سوداؔ کہتے ہیں کہ انسان جب تک اس دنیا میں رہتا ہے تب تک فکر و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک طرف اسے روٹی روزی کمانے کی فکر لگی رہتی ہے تو دوسری طرف دل میں روز قیامت کا خوف ہے کہ نہ جانے وہاں اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائیگا۔ لہذا جو یہ لفظ ''آسودگی'' یعنی آرام اور اطمینان کا سوال ہے۔ یہ صرف لفظ تک ہی محدود ہے یعنی صرف کہنے کی ایک بات کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے متعلق صرف حُسن ظن ہے آرام نہ ہمیں یہاں مل سکتا ہے نہ آخرت میں ملے گا۔

سوال نمبر ۱:۔ سوداؔ نے اس قصیدے میں جن پیشوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کی فہرست بنائے؟

جواب:۔ سوداؔ نے اس قصیدے ''شہر آشوب'' میں جن پیشوں کا تذکرہ کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(ا) سپاہ گری (ب) سوداگری (ج) درس وتدریس کا پیشہ (د) شاعری کا پیشہ (ہ) مُلائی یعنی امامت کیا پیشہ (و) درویشی اور فقیری کا پیشہ۔

سوال نمبر۲:۔ اس نظم میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کے معنی اب بدل گئے ہیں یا جو اب استعمال نہیں ہوتے ہیں۔ایسے کچھ الفاظ ڈھونڈئے اور لکھئے؟

جواب:۔ اس نظم میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کے معنی اب بدل گئے ہیں اور جواب استعمال نہیں ہوتے ہیں مثلاً تحقیق ہوا۔کسو۔سُو۔یاں۔واں۔ٹک۔انہوں کا۔ماحضر اخوند۔خبر لگی۔عدس۔چھٹتے ہی۔گویندہ۔خان زمان۔حرفیست۔ ملائی۔خیل وغیرہ وغیرہ۔

سوال نمبر۴:۔ اس قصیدے کو شاعر نے ''شہر آشوب'' کیوں قرار دیا ہے؟

جواب:۔ ''شہر آشوب'' کی اطلاح اُن نظموں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔جس میں کسی شہر کی تباہی اور بدحالی یا زمانے کی عام ابتری اور بدنظمی کا ذکر ہو لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ شہر یا ملک کی خرابی کا حال مختلف پیشوں کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے کہ ان کی حالت کتنی خراب ہوئی ہے۔اس قصیدے میں بھی سوداؔ نے شہر دلی کی حالت ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد کتنی خراب ہوئی اور انگریزوں نے اپنا غصہ خاص طور پر دلی شہر پر اتارا۔اور اسے خوب تباہ و برباد کیا اور اسی تباہی کا اظہار کرنے کے لئے سوداؔ نے یہ قصیدہ لکھا۔اور اس تباہی کا حال مختلف پیشوں کے حوالے سے بیان کیا اور اس نظم کا نام شہر آشوب رکھا۔

سوال نمبر۵:۔ ''شہر آشوب'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ ''شہر آشوب'' کے لغوی معنی ''شہر میں فتنہ و ہنگامی'' یا ''شہر میں فتنہ برپا کرنے والے'' کے ہیں۔اطلاح میں وہ نظم جس میں شہر کے اور شہر کے لوگوں کے حالات کا ذکر ہو۔شہر آشوب وہ نظم ہے جس میں شہر یا ملک کی اقتصادی یا سیاسی بے چینی کا تذکرہ ہو یا شہر کے مختلف طبقوں کی مجلسی زندگی کے کسی پہلو کا نقشہ مزاحیہ' طنزیہ یا ہجویہ انداز میں کھینچا گیا ہو۔شہر آشوب کے لئے کوئی خاص ہیت مقرر نہیں۔ہر ہیت میں شہر آشوب لکھے گئے ہیں۔بعض شعراء کے ہاں آشوبیہ غزلین بھی ملتی ہیں۔اردو میں بڑی کثرت سے شہر آشوب لکھے گئے ہیں۔جنگ آزادی کے بعد اس صنف کی ہیت میں تبدیلیاں آئیں۔دہلی کی تباہی و بربادی ''فغان دہلی'' میں بیاں کے گئی ہے اس کے بعد پھر اس کا رخ بدل گیا۔حالیؔ کی شہر آشوب ''مدوجزر اسلام' اور شکوہ ہند' شبلیؔ کا شہر آشوب'' اسلام' زیادہ اہم ہے۔موجودہ دور میں شہر آشوب نہیں لکھا جاتا ہے۔تاہم سیاسی' معاشی اور معاشرتی موضوعات پر لکھی جانے والی اکثر نظمیں ''شہر آشوب'' ہیں۔

سوال:۔ ''واسوخت'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ واسوخت وہ نظم ہے۔جس میں بے زاری' روگردانی اور تنفر کا اظہار کیا جاتا ہے یعنی یہ وہ صنف شاعری ہے جس میں محبوب کی بے وفائی' سنگ دلی' اور اس کے ظلم و ستم کا ذکر کر کے اسے بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔تلخ لہجے میں اُسے جلی کٹی سنائی جاتی ہے اور دھمکی بھی دی جاتی ہے۔کہ اگر محبوب نے اپنے رویے میں تبدیلی پیدا نہ کی اور عاشق کی طرف ملتفت نہ ہوا تو وہ اس کی محبت سے دست بردار ہو کر کسی اور شخص سے دل لگا لے گا۔واسوحت مسدس یا مثمن کی ہیت میں عام طور پر لکھی جاتی ہے لیکن کبھی کبھار کوئی اور

صنف بھی استعمال کی جاتی ہے مثلاً غزل وغیرہ داسوخت کی ابتدا دہلی اے شروع ہوئی اوراس کی معراج لکھنو میں ہوئی

آسمان، پھول اور لہو (مختصر افسانہ)

سوال:۔ نورشاہ کی زندگی اورادبی خدمات کے بارے میں مختصر نوٹ لکھئے؟

جواب:۔ نورشاہ سرینگر کے ڈلگیٹ علاقے میں ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔ بی۔اے کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ مختلف عہدوں پر فائز رہ کر چیف ایکزیکیٹو آفیسر جے اینڈ کے انرجی ڈیولپمینٹ ایجنسی کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔نورشاہ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۲۲ سال کی عمر میں کیا۔جب ان کی پہلی کہانی ''نلنی'' کے عنوان سے ماہنامہ ''شمع'' نئی دہلی کے جنوری ۱۹۵۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اُردو افسانہ عالم شباب میں قدم رکھ رہا تھا۔اس کے بعد آپ کی کہانیاں مختلف جرائد میں چھپنے لگی۔آپ ریاست جموں وکشمیر کے ایک معتبر اورمعروف افسانہ نگار کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔آپ اُردو کے موجودہ ادبی منظرنامے پر اپنے گہرے مشاہدے اور پُر اسلوب بیاں کے بل بوتے پر اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔آپ اپنے افسانوں کا پلاٹ عام زندگی سے چُنتے ہیں اور روزمرہ واقعات آسانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔اس وقت تک نورشاہ کے افسانوں کے جو مجموعے شائع ہوئے ہیں ان میں ''بے گھاٹ کی ناؤ'' ''ویرانے کے پھول'' ''فن کا آنگن'' اُداس اُداس'' ''ایک رات کی ملکہ'' نیلے پتھروں کی مہک'' ''بے ثمر سچ اور'' ''آسمان پھول اورلہو'' ہیں۔نورشاہ کئی ایک ناولوں کے بھی خالق ہیں۔آپ نے ساٹھ سے زائد ریڈیائی ڈرامے بھی لکھے ہیں

فنی اعتبار سے نورشاہ کی کہانیاں اور ڈرامے ایک منجھے ہوئے فنکار کے موئے قلم اورفنی بصیدرت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ان کا ایک مخصوص ڈکشن ہے جس پر انھیں ماہرانہ قدرت حاصل ہے۔آپ کہانی گھڑنے اوراس میں جمالیاتی عنصر شامل کرنے کے گُر سے بخوبی واقف ہیں۔

سوال نمبر۱:۔دوکاندارلڑکے کو گڑیا کیوں نہیں بیچتا تھا؟

جواب:۔ دوکاندارلڑکے کو گڑیا اس لئے نہیں بیچتا تھا۔کیونکہ لڑکے کے پاس اس کی پوری قیمت ادا کرنے کے لئے پورے پیسے موجود نہیں تھے۔لڑکے کے پاس صرف ریز گاری کے چند سکے تھے؟

سوال نمبر۲:۔لڑکے کے لئے گڑیا کا خریدنا کیوں ضروری تھا؟

جواب:۔ لڑکے کے لئے گڑیا کا خریدنا اس لئے ضروری بن گیا تھا۔کیونکہ وہ یہ گڑیا اپنی بہن کو بھیجنا چاہتا تھا۔کیونکہ لڑکے کی بہن کو گڑیا بہت پسند ہوا کرتی تھی۔

سوال نمبر۳:۔لڑکا اپنی دیدی کو گڑیا کس کے ہاتھ بھیجنا چاہتا تھا؟

جواب:۔ دراصل چندروز پہلے لڑکے کی ماں اور بہن ورمل جارہی تھیں اور بس اسٹینڈ کے قریب ایک گرنیڈ پھٹنے کے دوران دونوں ماں بیٹی

شدید زخمی ہوئی تھیں اور دس سالہ بیٹی موقعہ پر ہی جان بحق ہوگئی تھی اور باپ نے چھوٹے لڑکے سے کہا تھا کہ تمہاری بہن خدا کے پاس آسمانوں میں چلی گئی ہے اور اب تمہاری ماں بھی اپنے خدا کے پاس آسمانوں میں چلی جائے گی۔ اس لئے لڑکا اپنی ماں کے ہاتھ اپنی دیدی یعنی بہن کو بھجوانا چاہتا تھا اور ماں کے لئے سفید پھول خریدنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں سفید پھولوں کو پسند کرتی تھی

سوال نمبر۴:۔ افسانے میں موجود ''آنٹی'' کے کردار پر صرف پانچ جملے لکھئے؟

جواب:۔

ا:۔ افسانے میں موجود ''آنٹی'' ایک نیک دل، ہمدرد اور سخی خاتوں ہے۔

ب:۔ آنٹی، لڑکے کی معصومت، ماں بہن کے بارے میں اس کے دلی جذبات کا گہرا اثر لیتی ہے۔

ج:۔ ''آنٹی'' لڑکے کی چاہت اور آرزو کے مطابق مطلوبہ چیزیں خرید کر اُس کو دلواتی ہے۔

د:۔ آنٹی حساس دل رکھنے والی خاتوں تھی اس لئے لڑکے کی بے کسی اور لاچاری کو محسوس کیا۔

ہ:۔ آنٹی نے اخبار میں چھپی خبر کو پڑھا تو ششدر رہ جاتی ہے۔

سوال نمبر۵:۔ لڑکے کی کون سی دُعا اللہ نے قبول کر لی؟

جواب:۔ ایک ہاتھ میں ریزگاری اور دوسرے ہاتھ میں گڑیا اور پھولوں کا پیک لیکر لڑکے نے انٹی سے کہا کہ اللہ نے میری وہ دعا قبول کر لی ہے۔ جو کل میں نے اللہ سے مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے اتنے پیسے دے تا کہ میں اپنی دیدی کے لئے گڑیا اور ماں کے لئے پھول خرید سکوں۔

سوال نمبر۶:۔ لڑکے کی ماں اور بہن کا کیا نام تھا؟

جواب:۔ لڑکے کی ماں کا نام حلیمہ بی بی تھا۔ اور اُس کی بہن کا نام خالدہ تھا۔

سوال نمبر۷:۔ اس افسانے کا نام ''آسمان، پھول اور لہو'' کیوں رکھا گیا ہے؟

جواب:۔ نور شاہ کا یہ افسانہ روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ افسانے کا پلاٹ اُسی سماج کی عکاسی کرتا ہے جس میں افسانہ نگار خود رہتا ہے۔ اس کہانی میں سچائی اور حقیقت ایک سادہ مگر دل کش پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ اس افسانے کا نام ''آسماں، پھول اور لہو'' اس لئے رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان تینوں چیزوں کا ذکر افسانے میں درج ہے۔ ایک طرف دونوں ماں بیٹی کا ناحق زخمی ہونا اور پھر جان بحق ہو جانا۔ دوسری طرف لڑکے کی معصومیت ایسی ہوتی ہے کہ اس کو موت کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ باپ کے کہنے کے مطابق وہ سمجھتا ہے اُس کی دیدی آسمانوں میں خدا کے پاس چلی گئی ہے اور اب زخموں سے چور اُس کی ماں جسے سفید پھول بہت پسند ہوتے ہیں بھی آسمانوں میں جانے والی ہے۔

سوال نمبر۸:۔اس افسانے کو اپنے الفاظ میں لکھئے؟

جواب:۔نور شاہ کا لکھا ہوا مختصر افسانہ ''آسمان' پھول اور لہو' روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔افسانے کا پلاٹ ایسے سماج کی عکاسی کرتا ہے جس سماج میں افسانہ نگار خود رہتا ہے۔اس کہانی میں سچائی اور حقیقت ہے۔افسانہ نگار روزمرہ زندگی میں پیش آئے ہوئے ایک واقع کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ ایک عورت کچھ چیزیں خریدنے کے لئے ایک دُکان پر جاتی ہے وہاں اُس کی نظر ایک چھ سات سال کے بچے پر پڑتی ہے جس کے ہاتھ میں ریزگاری کی شکل میں کچھ پیسے ہوتے ہیں۔جن سے وہ دُکاندار سے ایک گڑیا خریدنا چاہتا ہے۔لیکن پوری قیمت نہ ہونے کی وجہ سے دکاندار اُسے گڑیا نہیں دیتا ہے۔یہ بچہ اس عورت کی طرف دیکھکر اُسے پوچھتا ہے کہ کیا میں ان پیسوں میں گڑیا نہیں خرید سکتا؟ عورت اس کے پیسے گن لیتی ہے جو واقعی قیمت سے کم ہوتے ہیں۔اسی اثناء میں بچہ عورت سے کہتا ہے کہ میرے لئے یہ گڑیا خریدنا بہت ضروری ہے کیونکہ میں یہ گڑیا اپنی بہن کو ماں کے ہاتھ بھیجنا چاہتا ہوں۔عورت بچے سے پوچھتی ہے کہ اس کی بہن کہاں ہے تو بچہ جواب دیتا ہے کہ وہ خدا کے پاس آسمان میں گئی ہے۔اور میرا باپ کہتا تھا کہ ماں بھی جلد خدا کے پاس جانے والی ہے اس لئے میں گڑیا خریدنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس پیسے کم ہیں اور میں یہ گڑیا خرید نہیں سکتا ہوں۔اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو میں اپنی دیدی کے لئے گڑیا اور اپنی ماں کے لئے سفید پھول بھی خریدتا۔کیونکہ وہ بھی آسمانوں میں خدا کے پاس جانے والی ہے اور اُس کے پاس وقت کم ہے۔میری ماں سفید رنگ کے پھول بہت پسند کرتی ہے۔عورت کہتی ہے کہ مجھے محسوس ہوا جیسے ساری دنیا کا درد وغم اور دُکھ اس معصوم بچے کی آنکھوں میں ایک ساتھ سمٹ آئے ہیں۔ بچہ عورت سے کہتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میرے آنے تک ماں کو روک لینا اور اُسے آسمانوں میں جانے نہیں دینا۔ بچہ اب رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔کہ میں کل اللہ سے پیسوں کے لئے دعا کی تھی۔شاید اللہ نے میری دعا قبول نہیں کی ہے۔عورت نے بچے سے کہا کہ بیٹا اللہ نے تمہاری دعا قبول فرمائی ہے۔تم یہ پیسے میرے اس جادوئی پرس میں ڈال دو اور دیکھو کہ جادوئی جن کیا کرتا ہے۔بچہ اپنے پیسے پرس میں ڈال دیتا ہے اور عورت دکاندار سے کہتی ہے کہ بچے کو یہ دونوں چیزیں پیک کر کے دو۔اور مجھے بتاؤ ان کی قیمت کیا ہے میں خود آپ کو وہ پیسے دے دوں گی۔دُکاندار ایسا ہی کرتا ہے اور عورت بچے سے کہتی ہے کہ تمہارے کچھ پیسے بچ گئے ہیں وہ بھی ساتھ لے جاؤ۔عورت کہتی ہے کہ میں اس بچے کو تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور دو دن کے بعد میں اپنے صحن میں اخبار پڑھ رہی تھی۔اخبار میں ایک تصویر چھپی تھی اور اُس تصویر میں ایک عورت کی خون آلودہ لاش تھی اور اُس لاش کے پاس ایک گڑیا اور سفید پھولوں کا گلدستہ صاف نظر آرہا تھا اور تصویر کے نیچے لکھا تھا کہ ''حلیمہ بی بی جو چند روز قبل اپنی بیٹی کو ساتھ لئے ورمل جا رہی تھی۔بس اسٹینڈ کے قریب ایک گرنیڈ دھماکہ ہوا جس کے دوران دونوں ماں بیٹی شدید زخمی ہوئی تھیں۔اس عورت کی دس سالہ بیٹی خالدہ موقعہ پر ہی جان بحق ہو گئی لیکن یہ عورت کل رات زخموں کی تاب نہ لا کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔۔۔۔'' عورت کہتی ہے کہ یہ خبر پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کوئی معصوم لڑکا آسمانوں کی طرف چلا جا رہا ہے۔لیکن جب میں نے دائیں بائیں دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا اخبار میرے ہاتھوں سے گر گیا اور میں

ششدر رہ گئی۔

۴:۔ گرائمر:۔

لفظ جملے کا کم از کم جُز ہوتا ہے۔ ہر لفظ کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں۔لفظ کی صورتیں اور حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں۔لیکن اس کی حالت اور صورت کہیں کچھ ہوتی ہے اور کہیں کچھ۔اس لحاظ سے الفاظ کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

(ا) مستقل الفاظ (ب) غیر مستقل الفاظ

ا:۔ مستقل الفاظ وہ الفاظ ہیں جو اپنی ذات سے پورے معنی رکھتے ہوں۔

ب:۔ غیر مستقل الفاظ وہ الفاظ ہیں جو اپنی ذات سے پورے معنی نہ رکھتے ہوں۔جب تک وہ کسی دوسرے لفظ کے ساتھ مل کر نہ آئیں۔اوران کو ''حروف''(ARTICLES) بھی کہتے ہیں۔جیسے کو۔تک۔پر۔کا۔کے۔کی۔میں وغیرہ جن کی چار قسمیں ہیں۔

ا:۔ حروف ربط ۲:۔حروف عطف ۳:۔صروف تخصیص ۴:۔حروف فجائیہ

ا:۔ **حروف ربط(PREPOSITION)**:۔وہ حروف ہیں جو ایک لفظ کا علاقہ کسی دوسرے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں جیسے ا:۔کا۔کے۔کی۔را۔رے۔ری۔نا۔نے۔نی [اضافت کے لئے مثلاً رام کا گھوڑا۔رحیم کے بچے۔رحمان کی ٹوپی-میرا گھر-میرے دوست-میری کتاب۔اپنا سکول۔اپنے ٹیچر۔اپنی گاڑی]+

ب:۔ نے[یہ فاعل کی علامت ہے مثلاً رشید نے کہا۔اکبر نے کتا مارا]+

ج:۔ کو۔سے[یہ مفصول کی علامت ہے مثلاً رام کو دے دو۔مجھ سے کہو۔]

د:۔ پر۔تک۔میں۔سے[یہ ظرفی اور طوری حالت کے لئے آتے ہیں مثلاً وہ شہر تک گیا چھت پر دیکھو۔اس کو ندی میں ڈالو۔گھر سے بازار تک گاڑی میں جاؤ]+اسی طرح بہت سے فارسی وعربی کے الفاظ بھی حروف ربط کا کام دیتے ہیں۔جیسے بغیر۔اندر۔ نزدیک۔سوا۔طرح۔بعد۔قبل۔گرد۔درمیان۔برابر وغیرہ وغیرہ+ ہندی کے بعض حروف دو دو مل کو اُور ایک حروف ربط کا کام دیتے ہیں جیسے وہ چھت پر سے گر پڑا+ نالی میں سے نکل گیا۔یہ تو اس میں کا ہے وغیرہ حروف ربط کر ہم دو قسموں سے ظاہر کرتے ہیں۔ا:۔حروف جار ۲:۔حروف اضافت

ا:۔ **حروف جار(PREPOSTION)**:۔حروف جار وہ حروف ہیں جو کسی اسم کو اسم کے ساتھ یا فعل کے ساتھ ربط دیتے ہیں۔جن اسموں کے بعد حروف جار واقع ہوتے ہیں۔اُن کو مجرور کہتے ہیں۔مثلاً گھر سے۔باغ میں۔ان شالوں میں ''سے'' اور ''میں''حروف جار ہیں اور ''گھر''۔''باغ''مجرور ہیں۔ حروف جار حسب ذیل ہیں۔میں۔سے۔پر۔تک۔تلک۔تا۔ اندر۔کو۔در۔باہر۔زیر۔درمیاں۔واسطے۔بیچ۔سوائے۔ساتھ۔جانب۔اُوپر۔آگے پیچھے۔طرف۔لئے۔پاس۔نزدیک۔

سمت۔بن۔سامنے۔بارے۔سوا۔طرح۔بعد۔قبل۔گرد۔برابر۔روبرو۔جانب۔قریب۔نیچے۔بھی۔وغیرہ وغیرہ۔

۲:۔ **حروف اضافت:**۔حروف اضافت دو اسموں میں نسبت پیدا کرتے ہیں۔اُردو میں اضافت کے تین حروف ہیں۔کا۔را۔نا+ کا:۔یہ اسم یا ضمیر کے بعد آتا ہے جمع کے لئے ''کے'' اور مونث کے لئے ''کی'' آتا ہے جس اسم یا ضمیر کے بعد آتا ہے۔اُس کو مضاف الیہ کہتے ہیں۔اور اضافت کے بعد والے اسم کو مضاف کہتے ہیں۔مثلاً رام کا گھر۔بشیر کے دوست۔راجا کی کتاب۔

را:۔یہ حاضر اور متکلم کی ضمیروں کے ساتھ آتا ہے۔واحد مذکر کے لئے ''را'' جمع مذکر کے لئے ''رے'' اور مونث کے لئے ''ری'' ہوتا ہے۔مثلاً میرا۔میرے۔میری۔تیرا۔تیرے۔تیری۔تمہارا۔تمہارے۔تمہاری۔ہمارا۔ہمارے۔ہماری++ نا:۔ یہ حرف آپ کے بعد آتا ہے۔اور مضاف کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع کا عمل ''نا'' پر ہوتا ہے۔مثلاً اپنا کپڑا۔اپنے دوست۔اپنی کتابیں وغیرہ وغیرہ۔

۲:۔ **حروف عطف (CONJUCTION):**۔ حروف عطف وہ حروف ہیں جو دو اسموں یا دو جملوں کو باہم ملاتے ہیں۔مثلاً رام اور شیام سکول جا رہے ہیں۔اکبر احمد آیا اور عبدالرشید چلا گیا۔ان مثالوں میں رام۔شیام دو اسم ہیں۔ان کو ''اور'' نے ملایا۔اسی طرح اکبر احمد آیا۔عبدالرشید چلا گیا۔دو جملے ہیں۔جن کو ''اور'' نے ملایا۔لہذا ''اور'' حروف عطف ہے۔حروف عطف سے پہلے اسم یا جملے کو معطوف الیہ کہتے ہیں۔اور عطف کے بعد دوسرے اسم یا جملے کو معطوف کہتے ہیں اس طرح ان مثالوں میں رام اور اکبر احمد آیا معطوف الیہ ہیں۔اور شام اور عبدالرشید چلا گیا۔معطوف ہیں حروف عطف یہ ہیں۔اور۔و۔پھر۔یا۔کہ۔لیکن۔ بلکہ۔مگر۔صرف۔اگر۔جو۔تو۔کیونکہ۔تاکہ۔کب۔کہاں۔خوب۔ہاں۔وغیرہ وغیرہ۔

حروف عطف کی نو (۹) قسمیں ہیں۔

۱:۔حروف وصل ۲:۔حروف تردید ۳:۔حروف استدراک ۴:۔حروف استثنٰی ۵:۔حروف شرط و جزا
۶:۔حروف علت ۷:۔حروف بیانیہ ۸:۔حروف استفہام ۹:۔حروف ایجاب۔

۱:۔ **حروف وصل:**۔ حروف وصل وہ حروف ہیں۔جو معطوف اور معطوف الیہ کو ایک حالت میں کر دے جیسے رشید اور رحیم آئے۔میں آیا پھر جمیل آیا۔روز و شب محنت کرو۔اُس نے کہا تھا کہ یہ کام کرنا۔ان جملوں میں (اور۔پھر۔و۔کہ) حروف وصل ہیں۔ ''اور''۔''و'' دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن ''و'' عربی فارسی الفاظ کے درمیان میں آتا ہے۔ہندی الفاظ کے لئے یا اُن کے ساتھ استعمال نہیں ہوتا ہے۔ جیسے ''تم وہ وہ'' بولنا یا لکھنا غلط ہے۔

۲:۔ **حروف تردید:**۔ حروف تردید وہ حروف ہیں جو رَد کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔جیسے نہ۔یا۔چاہے۔خواہ۔چاہو۔یا تو

وغیرہ وغیرہ مثلاً یا یہ لو یا وہ لو۔نہ وہ آیا نہ تم آئے۔چاہے رہو چاہے یہاں سے چلے جاؤ۔خواہ تم آؤ خواہ اُسے بھیج دو۔

۳:۔ **حروف استدراک:۔** حروف استدراک وہ حروف ہیں جو شبہ دُور کرنے کے موقع پر بُولے جاتے ہیں۔جیسے:۔پر۔لیکن۔بلکہ۔ گو۔البتہ۔اگرچہ۔لیک۔ولے۔الا وغیرہ وغیرہ مثلاً وہ نہیں آتا تھا۔لیکن میں اُسے لے آیا+ یہ سب سچ ہے۔پر وہ نہیں جانتا+ ایک نہیں بلکہ وہاں دو تھے+

۴:۔ **حروف استثنٰی:۔** حروف استثنٰی وہ حروف ہیں جو کسی شئے کی دوسری اشیاء سے علٰحیدگی ظاہر کرتے ہیں۔جیسے سوا۔مگر۔بجبر۔ ماسوا۔ جز۔صرف۔الا وغیرہ۔مثلاً وہاں سب آئے مگر وہ نہ آیا+سب آئے ماسوائے وہ+آپ کے سوا سب تھے+سب سو گئے صرف بشیر بیدار رہا+

۵:۔ **حروف شرط و جزا:۔** حروف شرط و جزا وہ حروف ہیں جو جملے میں کسی شرط کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔جیسے گر۔اگر۔جو۔ جب۔گو۔ہر چند۔وغیرہ وغیرہ+اور حروف جزا وہ حروف ہین جو شرط کے جواب میں آتے ہین جیسے۔تو۔سو۔تب۔اس لئے وغیرہ مثلاً جب وہ آئے گا تو مجھے اطلاع دینا+ جو کہو تو میں حاضر ہو جاؤں+ اگر وہ نہیں حاضر ہوا تو مجھے جانا پڑے گا۔وغیرہ

۶:۔ **حروف علت:۔** حروف علت وہ حروف ہیں جو سبب اور علت کو ظاہر کرتے ہیں جیسے پس اِس لئے۔لہذا۔کیونکہ۔سو۔تا کہ۔ بنا پریں۔مثلاً دولت کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ رہنے والی نہیں ہے۔آپ نے منع کیا تھا لہذا نہیں آیا۔وہ نہ آسکا اس لئے کہ وہ بیمار تھا۔ کتابیں دیجئے تا کہ میں ساتھ لے لوں۔

۷:۔ **حروف بیانیہ:۔** حروف بیانیہ وہ حروف ہیں جو بیان کے لئے آتے ہیں اردو میں حرف ''کہ'' ہی حرف بیانیہ ہے جو دو جملوں کے درمیان ہوتا ہے۔مثلاً تم جانتے ہی ہو کہ میں بشیر کا ہمدرد ہوں۔میں نے کہا کہ ادھر نہ جاؤ۔تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اُسے سمجھا دیتے۔پرنسپل نے کہا کہ کل سکول بند ہے۔

۸:۔ **حرف استفہام:۔** حروف استفہام وہ حروف ہیں جو سوال پوچھنے کے وقت بولے جاتے ہیں۔مثلاً کہاں۔کیا۔کس۔کب۔ کون۔کیسا۔کن وغیرہ مثلاً آپ کہاں سے آئے+ وہاں ہر روز کیوں جاتے ہو۔آپ نے یہ کام کب کیا۔آپ کا نام کیا ہے۔کن کے پاس آپ گئے تھے وغیرہ

۹:۔ **حروف ایجاب:۔** حروف ایجاب وہ حروف ہیں جو جواب کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔جیسے۔ہاں۔جی۔جی ہاں۔اچھا۔ خوب۔درست۔ٹھیک واقعی+مثلاً کل آپ وہاں گئے تھے.جی ہاں بجا فرمایا آپ نے+ ہاں میں وہاں جاؤں گا۔واقعی وہ پاس ہو گیا۔درست فرمایا آپ نے۔

III:۔ **حروف تخصیص یا تاکید:۔** حروف تخصیص وہ حروف ہیں جو کسی اسم یا فعل کے ساتھ آکر اس میں ایک قسم کی خصوصیت یا تاکید پیدا کر دیتا ہے۔جیسے پس۔بھی۔صرف۔محض۔ہی وغیرہ وغیرہ مثلاً میں بھی آیا تھا۔بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔وہ اگر ڈرتے

ہیں صرف آپ سے ڈرتے ہیں+اب تو ہر کوئی تمہاری ہی کہنے لگا۔تم ہی کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے وغیرہ

نوٹ:۔ ''ہی''بعض اسماء ضمائر وحروف کے ساتھ مل کر مرکب الفاظ بناتا ہے۔مثلاً کب ''ہی'' کے ساتھ مل کر کبھی ہوا۔اسی طرح جب+ہی =جبھی، اب+ہی=ابھی، تب+ہی=تبھی، سب+ہی=سبھی، وہ+ہی=وہی، یہ+ہی=یہی،جوں+ہی=جونہی، یوں +ہی=یونہی، تم+ہی=تمہے، ہم+ہی=ہمیں، تجھ+ہی=تجھی، مجھ+ہی=مجھی وغیرہ وغیرہ

IV:۔ **حروف فجائیہ (INTERJECTION):۔** حروف فجائیہ وہ حروف ہیں جو غم۔رنج۔خوشی۔تعجب۔پکار۔نفرت۔پنای۔توبہ اور جوش وغیرہ جذبات کے اثر میں بے تحاشا زبان سے نکل پڑتے ہیں جیسے ہے ہے۔اوہو۔واہ واہ۔ہائے۔ اللہ درے۔ارے۔اُف۔افسوس۔تف۔لعنت۔آفرین وغیرہ وغیرہ۔حروف فجائیہ کی آٹھ قسمیں ہیں۔

(۱) حروف ندا (۲) حروف ندبہ وتاسف (۳) حروف تعجب وانبساط (۴) حروف تحسین وآفرین
(۵) حروف تفرین (۶) حروف تنبیہ (۷) حروف پناہ وتوبہ (۸) حروف تشبیہ۔

(۱) حروف ندا:۔ حروف ندا وہ حروف ہیں جو پکارنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے۔یا۔ارے۔او۔اے۔اجی۔اوبے۔ابے وغیرہ وغیرہ مثلاً یا اللہ مجھے کامیاب کردے+ارے یار جھوٹ مت بول+اجی ذرا یہاں آنا۔ارے بیٹے ادھر آؤ+اونا سمجھ نیچے بیٹھ جاؤ۔

(۲) حروف ندبہ وتاسف:۔ حروف ندبہ وتاسف وہ حروف ہیں جو افسوس۔تکلیف یا گھبراہٹ محسوس ہونے کے مقام پر بولے جاتے ہیں جیسے ہائے۔ہائے ہائے۔ہے ہے۔افسوس۔آہ۔اُف مثلاً ہائے میں مرگیا+افسوس اُسے گولی لگ گئی+ہے ہے میرا پھول لے گیا کون+وائے وہ فیل ہوگیا۔

(۳) حروف تعجب وانبساط:۔ حروف تعجب وانبساط وہ حروف ہیں جو کسی عجیب چیز کو دیکھ کر خوشی کی حالت میں زبان سے نکل پڑیں جیسے اوہو۔اللہ درے۔سبحانا للہ۔ماشاءاللہ مثلاً اُوہو کیا پُر لطف منظر ہے۔اللہ رے کیا طبیعت پائی ہے۔ماشاءاللہ یہ نیک کام آپ نے انجام دیا ہے۔

(۴) حروف تحسین وآفرین:۔ حروف تحسین وآفرین وہ حروف ہیں جو تعریف کے موقعہ پر بولے جاتے ہیں جیسے واہ واہ۔شاباش۔ کیا کہنا۔سبحان اللہ۔آفرین۔مرحبا۔زندہ آباد۔بہت خوب۔چشم بددور وغیرہ مثلاً شاباش لڑکے تو بازی جیت گیا+واہ واہ کیا ادا پائی ہے۔کیا کہنا آپ کا اپنا نام روشن کیا۔سبحان اللہ کیا نظارہ ہے۔مرحبا تم نے آج کا مقابلہ جیت لیا۔

(۵) حروف نفرین:۔ حروف نفریں ونفرت وہ حروف ہیں جو نفرت۔لعنت اور پھٹکار کے موقع پر بولے جاتے ہیں جیسے معاذ اللہ۔ لعنت۔پھٹکار۔تف ہے۔تھُو تھُو۔استغفر اللہ لاحولولاقوۃ۔تھو ہے۔تف وغیرہ مثلاً لعنت ہے تم پر+پھٹکار ہے تجھے تو پھر فیل ہوگیا ہے+معاذ اللہ ایسی غفلت میں نے آج تک کسی کی نہیں دیکھی+لاحولولاقوۃ یہ کیا ہوگیا ہے تمھیں۔

(۶) حروف تنبیہ:۔ حروف تنبیہ وہ حروف ہیں جو ڈرانے۔ دھمکانے اور خبردار کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں جیسے خبردار۔ ہرگز۔ زنہار۔ ہیں ہیں۔ ہاں۔ دیکھنا+سنو وغیرہ مثلاً ہاں کھائیو مت فریب ہستی+خبردار جھوٹ نہ بولنا۔ تمھیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ سنو اس پُل سے نہ گذرنا+زنہار آگ کے ساتھ مت کھیل۔ ہیں ہیں یہ کام کبھی نہیں کرنا۔

(۷) حروف پناہ وتوبہ:۔ حروف پناہ وتوبہ وہ حروف ہیں جو توبہ اور پناہ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے۔ توبہ۔ توبہ توبہ۔ پنقاہ۔ الاماں۔ الحفیظ۔ حاشا کلاہ وغیرہ مثلاً بڑی آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ+حاشا کلاہ میں حرام کبھی نہیں کھاونگا+توبہ میری توبہ اب شراب کو ہاتھ نہیں لگاونگا+الاماں بڑی مصیبت ہے یہ زندگی وغیرہ وغیرہ۔

(۸) حروف تشبیہ:۔ حروف تشبیہ وہ حروف ہیں جو مشابہت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جیسے۔ سا۔ ایسا۔ ویسا۔ جیسا۔ مانند۔ گویا۔ طرح۔ مثل۔ یوں۔ جوں۔ کی طرح۔ ہو بہو وغیرہ مثلاً تم سا نہیں دیکھا کوئی+ویسا جانباز کوئی نہیں۔ وہ شہر جیسا بہادر ہے+کون اس کے مانند ہے۔

۵:۔ سوال: درج ذیل اقتباس کو غور سے پڑھیں:۔

آج پھر وہی ہوا۔ جس کا اندیشہ تھا۔ جونہی وہ آیا۔ ہال میں موجود سبھی لوگ چونک پڑے۔ اس نے کسی کو کچھ کہے بغیر اسٹیج پر تقریر شروع کی۔ تالیوں سے پورا ہال گونجنے لگا۔ ''واہ واہ'' ''سبحان اللہ'' کے روایتی الفاظ ہر طرف سے سنائی دینے لگے۔ سننے والے تشنہ تھے کہ وہ کچھ اور کہے لیکن کیسے اور کیوں؟ وہ اچانک رُکا۔ اُس نے ایک لمبی آہ کھینچ لی اور عجیب انداز میں اپنے سر کو ہلانے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کبھی بھی نہ بولے گا۔ چھی چھی، تف یہ دو لفظ کہہ کر اس نے ہال میں طاری سکوت کو توڑا کسی کی سمجھ میں نہ آسکا وہ کیا کہا جارہا تھا۔

۶:۔ اب اوپر دئے ہوئے اقتباس میں سے مختلف اقسام کے حروف تلاش کریں۔

جواب:۔ دئے ہوئے اقتباس میں مندرجہ ذیل اقسام کے حروف موجود ہیں:۔

۱:۔ میں۔ نے۔ سے۔ پر۔ کو۔ طرف=حروف جار

۲:۔ کا۔ کے۔ کی=حروف اضافت

۳:۔ سبھی۔ کبھی۔ بھی۔ وہی۔ جونہی=حروف تاکید

۴:۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ=حروف تحسین وآفریں

۵:۔ کیسے۔ کیوں۔ کیا=حروف استفہام

۶:۔ پھر۔ اور=حروف وصل

۷:۔ چھی چھی۔ تف=حروف نفریں

۸:۔ آہ=حروف ندبہ وتاسف

۹:۔ لیکن=حروف استدراک

۱۰:۔ کہ=حروف بیانیہ

۱۱:۔ بغیر=حروف آتثنیٰ

۱۲:۔ نہ=حروف تردید

I	II
حروف ربط	حروف عطف
PREPOSITION	CONJUCTION

1	2	1	2	3	4	5	6	7	8	9
حروف جار	حروف اضافت	وصل	تردید	استدراک	استثنٰی	شرط وجزا	علت	بیانیہ	استفہام	ایجاب
میں۔سے	کا۔کے۔کی۔	اور	نہ	پر	سوا	ورنہ	اس	کہ	کہاں	ہاں
پر۔تک	را۔رے۔ری	و	خواہ	لیکن	مگر	گر۔اگر	لئے	یہ ان تمام	کس	جی ہاں
تا۔تلک	نا۔نے۔نی	کہ	چاہے	بلکہ	بجز	جب	کیونکہ	موقوں پر	کیوں	ہاں جی
کو۔نے	کا=اسم اور ضمیر	پھر	چاہو	کہ	ماسوا	گو۔چونکہ	تاکہ	استعمال	کب	جی
در۔اندر	کے لئے		یا	گو	صرف	اگر چہ ہر	تا	ہوتا ہے	کن	خوب
باہر۔آگے	را=حاضر اور		کہ	اگرچہ	پر	چند نہیں تو	لہذا	(مقولہ	کیا	درست
پیچھے۔اُوپر	متکلم کے لئے		یا تو	لیک	لیکن	(شرط کے		فرض	کون	بھلا
جانب۔ساتھ	نا=آپ کے بعد			سو	بغیر	لئے) تو سو		اور	کیسا	اچھا
واسطے۔	آتا ہے۔			الا		تب اس		حکم)	کیسے	بجا
سوائے۔	اپنا۔اپنے۔					لئے (جزا		ان کے		واقعی
طرف۔	اپنی۔					کے لئے		لئے آتا		ٹھیک
درمیان	میرا۔میرے۔							ہے		منظور
روبرو۔نزدیک	میری۔									صحیح
باعث۔پاس	ہمارا۔ہمارے۔									
سمت	ہماری									
	تیرا۔تیری۔									
	تیرے ۔									
	تمہارا۔تمہارے									
	۔تمہاری									

III	IV
تخصیص تاکید	حروف فجائیہ INTERJECTION

1	1	2	3	4	5	6	7	8
تاکید	ندا	ندبہ وتاسف	تعجب وانبساط	نفریں	تحسیں و آفریں	تنبیہ	پناہ وتوبہ	تشبیہ
ایک	اے	ہائے	اللہ اللہ	لعنت	شاباش	سیئں سیئں	توبہ	سا
پس	یا	ہائے ہائے	اللہ رے	تف	آفرین	خبردار	توبہ توبہ	ایسا
بھی	ارے	ہے	سبحان اللہ	تف تف	واہ واہ	ہرگز	الامان	ویسا
ابھی	او	ہے ہے	ماشا اللہ	تف ہے	کیا کہنا	زنہار	الحفیظ	جیسا
صرف	اوبے	ہائے رے	اُوہو	تھو	مرحبا	ہاں	حاشا کلا	مانند
محض	اُوہ	ہائے	آہا	تھوتھو	زندہ باد	دیکھنا		گویا
ہی	اجی	وائے	آہاہا	تھوہے	بہت خوب	سنو		طرح
اس کی	ابے	افسوس	واہ	معاذ اللہ	سبحان اللہ			مثل
بہت سی		آہ	واہ واہ	استغفر اللہ	چشم بددور			یوں
شکلیں		حسرتا		لاحول				کی طرح
جیسے		حیف		ولاقوۃ				جوں
یوں+ہی		صد حیف						ہو بہو
یونہی								
سب+ہی								
سبھی								
وغیرہ								

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
لہو	خون۔لُوہُو کا مُخفف	آسمان	آکاش۔فلک	سمے	وقت۔فرصت۔موقع
سندر	خوبصورت۔حسین	پھول	گل۔ہلکا	گرینیڈ	ہتھ گولا۔بم کا گولہ
ریز گاری	خوردہ۔روپئے کے حصے	قدم	پانو۔دونوں پانو۔فاصلہ	اعتبار	بھروسہ۔یقین۔اعتماد
مصروف	مشغول۔کام میں لگا ہوا	صبح	فجر۔سویرا۔تڑکا	دیدی	بہن۔بڑی بہن
گڑیا	کپڑے کی بنی ہوئی پتلی۔جس سے لڑکیاں کھیلتی ہیں	معمول	عمل کیا ہوا۔دستور۔رواج	نس نس میں	رگ رگ میں
اصرار	تکرار۔کسی امر میں تاکید	مارکیٹ	بازار۔منڈی	چلچلاتی دھوب	تیز اور سخت دھوپ
جذبات	دل کا جوش۔ولولہ۔کشش	گن چکا	شمار کیا۔گنتی کی۔چانچنا	تیز	دھاروار۔نوک دار
تڑپ	اضطراب۔بے چینی۔	رقم	مال۔دولت۔ہندسہ	تلخ	کڑوا۔بدمزہ۔ناپسند
سکے	سرکار کی طرف سے جاری کیا ہوا روپیہ	آنٹی	چچی۔ممانی۔خالہ	سپید	سفید
ابو	والد۔باپ	واقعی	دراصل۔سچ مچ۔اصلی	گل دستہ	پھولوں کا گچھا۔شعری مجموعہ
بے لوث	خالص۔سچا	اُمڈ آنا	جوش پر آنا۔ہجوم کرنا	بلوریں	چمک دار۔شیشے جیسی
لگاؤ	تعلق۔علاقہ۔نسبت	لوٹ آنا	واپس ہونا۔رُخ بدلنا	درد	دکھ تکلیف۔ٹیس
کڑواپن	تلخی۔بدمزاجی۔تندی	لہجہ	طرز کلام۔بات کا طریقہ	کرب	اضطراب۔بے چینی
عیاں	ظاہر۔کُھلا ہوا	ماحول	گردوپیش۔اردگرد	معاشرہ	آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا
مانند	جیسا۔طرح۔مثل	انتشار	گھبراہٹ۔تتر بتر ہونا	جم کر	قائم ہو کر۔منجمند ہو کر۔ٹھہر کر
پرس	بٹوا۔تھیلی۔کیسہ زر	تشدد	سختی۔زیادتی۔جبر	لت پت	بھرا ہوا۔آلودہ۔بھیگا ہوا

جادو	سحر۔منتر۔افسوں	خلوص	وفاداری۔سچائی۔وفا	مردہ	بے جان۔لاش۔میّت
جن	ایک مخلوق جو آگ سے پیدا ہوئی	راکھ ہوجانا	جا کر خاکستر ہوجانا	دلہن	عروس۔زوجہ۔آراستہ
جانب	طرف۔سمت	بس اسٹینڈ	موٹر گاڑیاں ٹھہرنے کی جگہ	بیوہ	جس کا شوہر مر گیا ہو
پیک کرنا	کسی چیز کو سلیقے سے باندھنا	قریب	پاس۔نزدیک	اللہ کو پیارا ہونا	مرجانا۔فوت ہونا
راہ دیکھنا	منتظر رہنا۔انتظار کرانا	شدید	سخت۔مشکل۔کٹھن	جھلک	روشنی۔چمک دمک
سنبھالنا	تھامنا۔پکڑنا	جان بحق ہونا	مرجانا۔انتقال کرنا	روک لینا	باز رکھنا۔منع کرنا
اوجھل	آڑ۔پردہ۔غائب	نظر ہٹانا	کترانا۔نامنظور کرنا	ادا کرنا	چکانا۔بے باق کرنا
ذہن	دانائی۔سمجھ کی قوت	معصوم	بے گناہ۔بے قصور	قبول ہونا	مقبولیت۔پسندیدگی
نفرت	گھن۔بیزاری۔کراہت	دکھ	تکلیف۔رنج	اپنانا	قبول کرنا۔اپنا بنانا
زخم	گھاؤ۔ریش۔ناسور	تاب	طاقت۔برداشت	آگ بھڑکنا	غصّہ دلانا۔طیش دلانا

نظم

شاعری اصطلاح میں نظم اُس شعری صنف کو کہتے ہیں۔جس میں کسی موضوع پر ربط اور تسلسل کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہو۔اُردو نظم کا دور جدید دراصل انجمن پنجاب لاہور کے قیام کے بعد شروع ہوا۔ جہاں محمد حسین آزاد نے جدید نظمیں لکھیں۔اس کے بعد اردو شاعری کا لہلہاتا باغ حالؔی، اکبرؔ اور اقبالؔ کی آبیاری کا ممنون ہے۔جدید اردو شاعری کا پودا انہی بزرگوں کے ہاتھوں پروان چڑھا۔ان سے پہلے ہمارا شعر و ادب، گلِ بلبل، ہجر و وصال، بے قراری اور بے چینی کا فسانہ بن کے رہ گیا تھا۔غزل گوئی کو شاعری کی معراج تصور کیا جاتا تھا۔علمی اور اخلاقی مضامین کی کمی کی وجہ سے ہمارا شعر و ادب زندگی سے دور ہوتا جاتا تھا۔اب اس چیز کی ضرورت تھی کی نئے نئے مضامین اردو شاعری میں داخل کئے جائیں اور اس کی ابتداء نظیر اکبر آبادی نے کی۔جدید اردو شاعری کا آغاز صحیح معنوں میں ۱۸۷۴ء کے مشاعرہ سے ہوتا ہے اس مشاعرے میں بجائے مصرعہ طرح دینے کے نظم کے لئے ایک عنوان ''برکھا رُت'' تھا۔نظم کی کوئی خاص شکل معین نہیں ہے نہ اس کے لئے کوئی بحر مخصوص ہے۔یہ صنف اردو میں انگریزی نظموں سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔فنی اعتبار سے نظم کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (ا) ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔ایسی نظم ''پابند نظم'' کہلاتی ہے (ب) ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر کے ہوں مگر ان میں قافیہ نہ ہو ''نظم معراء کہلاتی ہے (ج) ایسی نظم جس کے مصرے چھوٹے بڑے ہوں وزن ہو مگر قافیہ نہ ہو'' آزاد نظم کہلاتی ہے غزل کے بعد اردو شاعری میں جو چیز سب سے زیادہ مقبول ہوئی وہ نظم ہے۔ اس کا میدان بہت وسیع ہے۔مختلف عنوانات پر لکھی جاتی ہے۔اب اردو میں مختلف موضوعات پر نظمیں لکھی جاتی ہیں جن میں مناضر قدرت،

خارجی واقعات، داخلی کیفیات اور اخلاقی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور دیگر مسائل و خیالات پر اظہار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مجاز۔ کیفی۔ فیض۔ جذبی۔ سردار جعفری۔ اختر لایمان۔ سرحرلدھیانوی اور مخدوم نے نظم کو معنی وخیال کے نئے اُفق دِکھائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم کا مستقبل روشن ہے۔

نظم شکست انتظار کی تشریح

شعرنمبر۱:۔ گلی کے موڑ پہ مسجد کے اس مینار تلے خزاں رسیدہ چناروں کے زرد روپتے چراغ راہ کی مانند صبح وشام جلے

تفہیم الفاظ:۔ شکست = ہار۔ نقصان + انتظار = اُمید۔ راہ دیکھنا + بہار = شادابی۔ پھول کھلنے کا موسم + خزاں = پت جھڑ کا موسم۔ جس میں درختوں سے پتے جھڑ کر گرتے ہیں + سونپ دینا = سپرد کرنا۔ حوالے کرنا + گلی = کوچہ۔ محلّہ + موڑ = گھماؤ۔ چکر۔ خم + مینار۔ تھم، ستون۔ بُرج + تلے = نیچے۔ زیر + خزان رسیدہ = بے رونق۔ پرانا + زردرُو = پیلا چہرہ۔ بیمار صورت + چراغ = دیا + راہ = راستہ + مانند = مطابق۔

تشریح:۔ مرزا محمد یاسین بیگ اس نظم کی ابتداء میں فرماتے ہیں کہ خزاں کی ایک اداس اور غم زدہ شام ہے۔ خاموش، ویران اور سنسان گلی کے ایک موڑ پر ایک میناروں والی مسجد ہے اور اس سنسان گلی کی اس مسجد کے مینار کے سامنے چناروں کے زرد پتّے جھڑ کر نیچے گر پڑے ہیں کیونکہ موسم خزان آچکا ہے اور یہ سرخ مائل زرد رنگ کے پتے احساس غم میں اضافی کررہے ہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے کسی نے راستے میں روشنی دینے کے لئے چراغ جلائے رکھے ہیں۔

شعرنمبر۲:۔ کہر میں لپٹی ہوئی ملگجی فضاؤں میں نظر نواز نظاروں کے داغ تک نہ ملے

تفہیم الفاظ:۔ کہر = وہ بخارات جو سردی کے موسم میں صبح وشام دھند پیدا کرتے ہیں + ملگجی = گرد سے آلودہ۔ کچھ اجلی کچھ میلی + فضا = وسعت۔ کشادگی + نظر نواز = نظر کو خوش کرنے والے۔ آنکھوں کو لبھانے والے + نظارہ = دید۔ دیدار + داغ = دھبہ۔ نشان + لپٹی ہوئی = آپس میں ملی ہوئی۔ چمٹی ہوئی۔

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں حالانکہ اس وقت ساری فضا کہر میں لپٹی ہوئی ہے۔ ہر چیز دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی ہے۔ کہیں کوئی امید اور خوشی کی معمولی سی کرن بھی نظر نہیں آتی ہے موسم بہار کے وہ نظارے جو آنکھوں کو ٹھنڈک دیتے تھے ان کے معمولی سے نشان تک دکھائی نہیں دیتے ہیں۔

شعرنمبر۳:۔ سیاہ رات کے دامن سے تیرگی نہ چھٹی فلک پہ جلتے ستاروں کے داغ تک نہ ملے

تفہیم الفاظ:۔ سیاہ = کالا۔ بد + تیرگی = اندھیرا۔ سیاہی = فلک = آسمان + ستارے = تارے

تشریح:۔ شاعر کہتے ہیں کہ کالی رات کا اندھیرا ابھی ابھی تک غائب نہیں ہوا۔ بلکہ سیاہ رات کا دامن اندھیرے میں بھیگا جارہا ہے۔ یعنی کالی رات کا گھپ اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔

شعرنمبر۴:۔ گلی کے موڑ پہ اس سامنے کی کھڑکی میں وہ قیس منتظر و بے قرار بیٹھا ہے۔

تفہیم الفاظ:۔ قیس = مجنون۔عرب کا ایک مشہور عاشق منتظر = انتظار کرنے والا + بے قرار۔ بے صبر۔ بے چین

تشریح:۔ شاعر فرماتے ہیں کہ اس اُداس، اندھیری اور غم زدہ رات میں ایک گلی کے موڑ پر ایک خستہ حال مکان کی خستہ حال کھڑکی میں کوئی اُداس بیٹھا ہوا کسی کا انتظار کر رہا ہے۔شاید وہ کوئی مجنون یعنی ناکام عاشق ہے جسے آج بھی اپنے محبوب کا انتظار ہے اور اسی کشمکش میں مبتلا ہے۔

شعرنمبر۵:۔ نظر نظر میں شراروں کا اضطراب لیئے دھڑکتے دل سے سر رہگزار بیٹھا ہے

تفہیم الفاظ:۔ شرار = چنگاری۔آگ + اضطراب = گھبراہٹ۔ بے تابی + رہگزار = راستہ۔سڑک۔راہ

تشریح:۔ شاعر فرماتے ہیں کہ اس ناکام عاشق کی آنکھوں میں بے بسی اور بے قراری کی چنگاریاں بھری ہوئی ہیں۔اس کی آنکھوں میں نا اُمیدی کے منڈلاتے ہوئے سائے اس کی درد بھری کہانی سنا رہے ہیں وہ سر راہ دھڑکتے دل کے ساتھ کسی کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے۔صرف اس امید کو دل میں بسائے رکھا ہے کہ شاید اس کا معشوق یہاں سے ضرور گذر جائیگا اور یہ انتظار اسکا مقدر ہے۔

شعرنمبر۶:۔ اسے خبر نہیں شاید کہ محمل لیلےٰ گزر گیا تو کبھی لوٹ کو نہیں آیا

تفہیم الفاظ:۔ محمل = کجاوہ۔ڈولی + لیلےٰ = مجنون کی معشوقہ + گزر جانا = چلا جانا + لوٹ آنا = واپس ہونا۔

تشریح:۔ اس آخری شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ اُسے اس بات کی کوئی واقفیت ہی نہیں ہے کہ اس کے معشوق کی سواری یہاں سے کب کی گذر چکی ہے اور سے واپس لوٹ کر بھی نہیں آئی ہے شاید اُسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ساتھ چلنے والے مسافر جب بچھڑ جاتے ہیں تو وہ دوبارہ ملنے کیلئے واپس نہیں آتے۔لہذا ابھی اس کو اپنے شکست انتظار کا احساس نہیں ہوا ہے۔اس انتظار اور شکست انتظار کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ہر ایک انسان اس دنیا میں اسی کشمکش میں رہتا ہے۔

سوال نمبر۱:۔ یٰسین بیگ کی حیات اور شعری خدمات پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجئے؟

جواب:۔ مرزا محمد یاسین بیگ ۱۹۴۳ء میں جموں میں پیدا ہوئے + بے۔اے پاس کرنے کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی سے بی۔لِب پاس کیا اور جموں و کشمیر آکادمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگویجز میں لائبریریں کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔اس کے بعد ریاستی سرکار کے مختلف محکموں میں کام کرتے رہے۔شاعری کا آغاز کالج کے زمانے سے کیا۔کلچرل آکادمی کی ملازمت کے دوران ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ''شاخ صنوبر کے تلے'' ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔یاسین بیگ نے اگرچہ اردو شاعری کی اکثر اصناف میں طبع آزمائی کی۔مگر ان کی انفرادیت صرف ان کی نظموں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ان کا دوسرا مجموعہ ''دہر آشوب'' ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ نظموں میں نہ صرف عصری مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ بلکہ فکر کی گہرائی اور احساس کی گھلاوٹ کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ان کی غزلوں کا محبوب ترین موضوع حُسن اور عشق ہے۔ان کی زبان اور بیان بہت لطیف ہے آپ کے ہاں پائے جانے والے

استعارے اور پیکر بڑے دل کش ہیں۔آپ کی بعض نظمیں گیت کا لطف دیتی ہے۔آپ کو جدید اردو شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔آپ نے ڈوگری اور پنجابی زبانوں میں بھی شعر کہے ہیں اور ڈوگری میں ان کی ایک طویل نظم ''شبدامرت'' شائع ہوئی۔

سوال نمبر۲:۔ نظم ''شکست انتظار'' میں کس طرح کی ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کی گئی ہے؟

جواب:۔ نظم ''شکست انتظار'' میں مرزا محمد یاسین بیگ نے ایک خاص احساس غم کی تصویر کشی کی ہے۔یعنی خزاں رسیدہ چناروں کے زرد روپتوں کا صبح وشام چراغ راہ کی مانند جلنا۔کہر میں لپٹی ہوئی ملگجی فضا' سیاہ رات کی تیرگی کا ستاروں کو ڈھانپ لینا' مایوسی اور اُداسی کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ایسے ہی مختلف نظاروے اور خود کی اپنی مجبوریوں کے مختلف حالات دیکھکر انسان کے دل میں آپ ہی آپ اپنی بندگی' محتاجی اور کمزوری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔پھر اپنے آپ کو ایک مجبور بندہ تصور کرنے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ فطرتاً کتنا کمزور اور محتاج ہے۔بے شمار چیزیں جو اس کے لئے ضروری ہیں مگر اس کے پاس نہیں ہیں کبھی آپ ہی آپ حاصل ہوتی ہیں کبھی چھن جاتی ہیں۔

سوال نمبر۳:۔ کھڑکی میں بیٹھے ہوئے قیس اور محمل لیلیٰ سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب:۔ انتظار اور شکست انتظار کا جو سلسہ ازل سے جاری ہے۔شاعر اسی مایوسی اور اداسی کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح اس ناامیدی اور مایوسی کی اس فضا میں کسی کھڑکی میں بیٹھا ہوا کوئی عاشق اپنی محبوبہ کا انتظار کرتا رہتا ہے۔اور قیس سے یہاں انہوں نے ایک عام ناکام عاشق کو ظاہر کیا ہے۔یعنی ہر وہ انسان جسے ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کی طلب یا آرزو ہوتی ہے۔اور محمل لیلیٰ یعنی لیلیٰ کے اونٹ کا وہ کجاوہ جس میں لیلیٰ بیٹھتی تھی یعنی ہر وہ چیز یا آرزو جس کی ایک انسان کو طلب ہوتی ہے۔کہ کس طرح ایک طالب اپنے مطلوب کے انتظار میں بے چین اور بے تاب سر راہ دھڑکتے دل کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔شاید کہ اس کی مراد بھر آئے۔اور اس طرح تمام عمر امید اور بیم کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے اور انتظار کرتا ہے۔

سوال نمبر۴:۔ نظم شکست انتظار کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھئے؟

جواب:۔ زندگی کا دوسرا نام ''انتظار'' بھی ہوسکتا ہے۔غور سے دیکھا جائے تو ہمیں ہر وقت ہر گذرنے والے لمحے کے ساتھ کسی نہ کسی بات کا انتظار لگا رہتا ہے۔اور یوں تمام عمر کسی نہ کسی چیز کے انتظار میں کٹ جاتی ہے اور اسی انتظار کی وجہ سے انسان تمام عمر اُمید اور ناامیدی کی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے۔

اُمید موسم بہار کی طرح دلکش' خوبصورت' پر فضا اور رنگ ونور میں ڈوبی ہوتی ہے۔اس کے برعکس ناامیدی موسم خزاں کی طرح اُداس' دھندلی دھندلی سی لگتی ہے۔نظم شکست انتظار میں نا اُمیدی کو بیان کیا گیا ہے۔خزان کے زرد پتے' رات کی سیاہی میں جلتے بجھتے چراغ کی روشنی' کہر اور دھند نے ستاروں کو ڈھانپ لیا ہے۔نا اُمیدی کا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔لیکن نا اُمیدی کی اس فضا مین ایک خستہ حال مکاں کی کھڑکی میں بیٹھا ہوا کوئی عاشق اپنے محبوب کے انتظار میں ہے۔لاکھ مایوسی سہی۔ لیکن اس کے دل میں انتظار ہے کیونکہ انتظار کا یہ سلسلہ تو روز اول سے ہی جاری ہے۔

اُولُو العزمی

سوال:۔ مولانا محمد حُسین آزاد کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام قلمبند کیجئے؟

جواب:۔ مولانہ محمد حسین آزاد ۱۸۳۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد محمد باقر علی دہلی کے شرفاء میں سے تھے اور بڑے عالم اور مجتہد تھے۔آپ نے پہلا اردو اخبار ۱۸۵۶ء میں دہلی سے نکالا۔محمد باقر ذوق کے گہرے دوست تھے اور ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد انگریزوں نے قتل کا الزام لگا کر پ کو شہید کر دیا۔آپ کی والدہ ایرانی تھی۔لہذا فارسی گھر کی چیز تھی۔آزاد کی ابتدائی تعلیم ذوق کے سپرد ہوئی۔اور بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق ہو گیا دلی کالج میں تعلیم پائی۔غدر نے آپ کو بری طرح سے برباد کیا۔گھر سے نکل پڑے اور حیدر آباد گئے وہاں سے لکھنو آئے پھر لاہور پہنچے، وہاں سررشتہ تعلیم میں پندرہ روپیہ ماہوار پر نوکر ہوئے۔رفتہ رفتہ اتالیق پنجاب اور پنجاب میگزین کے سب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ڈائیریکٹر تعلیمات پنجاب ان پر مہربان ہو گئے اور ان کے ایماء سے آزاد نے ایک انجن قائم کی اور اپنے زیر اہتمام ایک زبردست مشاعرہ کیا جس میں بجائے مصرعہ طرح دینے کے قدرتی منظر اور جذبات کا مظاہرہ مقصود تھا۔یہ مشاعرہ اردو نظم کی ترقی کا زینہ بنا۔جس سے ملک بھر میں ہل چل مچ گئی۔حکومت کی طرف سے کابل اور ابخارا بھیجے گئے۔وہاں سے واپسی پر لاہور کالج میں اردو کے پروفیسر ہوئے۔اس کے بعد ایران کا سفر کیا۔آپ کی علمی خدمات کے پیش نظر انگریزی سرکار نے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔پنجاب گورنمینٹ کے ایماء سے نصاب کی کئی کتابیں لکھیں۔لیکن آخری عمر میں اپنی بیٹی کی موت سے جنون کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور چند سال کے بعد ۱۹۱۰ء میں انتقال کیا۔''آبحیات''''دربار اکبری''''سخندان فارس''اور''نیرنگ خیال''بہت مشہور تصانیف ہیں۔

نظم ''اُولُو العزمی'' کی تشریح

بند نمبر ا:۔ ہے سامنے کھلا ہوا میدان چلے چلو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔چلنا ہی مصلحت ہے میری جان چلی چلو۔

تفہیم الفاظ:۔ اولوالعزمی = عالی ہمتی۔بڑائی۔بلندی۔بڑا مرتبہ+کھلا ہوا= کشادہ۔وسیع +میدان = ہموار زمین۔وسیع زمین+ چلے چلو= برابر چلے جانا۔کہیں نہ ٹھہرنا + باغ = پھلواڑی =گلزار+مراد=تمنا۔آرزو+ثمر=میوہ۔پھل+ بیچ = درمیان+افشان = مقیشی کی باریک کترن جو عورتیں آرائش کے لئے ماتھے پر چنتی ہیں یا بالوں پر جھڑکتی ہیں+ بیابان = ریگستان۔جنگل۔وادی+ ہمت = ارادہ۔بہادری+مصلحت =حکمت۔اچھا مشورہ+ جان = زندگی۔روح۔

تشریح:۔ اس بند میں محمد حسین آزاد فرماتے ہیں کہ اے میرے دوستو اُٹھو اور باہمت کر زندگی کے میدان میں آگے بڑھو۔تمہارے سامنے زندگی کا میدان کھلا پڑا ہے۔تمہارے سامنے تمہاری آرزوؤں اور اُمیدوں کا باغ ہے۔اس باغ تک پہنچنے کے لئے تماری ہمت تمھیں ساتھ دے سکتی ہے۔صرف تمہاری اپنی ہمت۔اور اس امید کے باغ میں پہنچ کر تمھیں تمہاری محنت کا خوبصورت پھل ملے گا۔زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہے زندگی کی جنگ لڑتے ہوئے ہر قدم پر تمہارے سامنے مشکلات کے گہرے دریا آسکتے ہیں۔

الجھنوں کے پہاڑ سامنے آسکتے ہیں لیکن کوئی بھی مشکل آئے تم ہمت سے آگے بڑھنا۔مشکلات پر قابو پا کر آگے بڑھتے رہو۔ صرف تمہاری ہمت سے تم سب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔اس زندگی کے دشوار گذار میدان میں چلتے رہنا اور آگے بڑھتے رہنے میں ہی تمہاری بھلائی ہے۔اور سب سے بڑی حکمت یہی ہے۔

بند نمبر۲:۔ ہمت کے شاہ سوار جو گھوڑے اٹھائیں گے۔۔۔۔۔۔۔بیٹھو نہ تم مگر کسی عنوان چلے چلو۔

تفہیم الفاظ:۔ شہسوار= بڑا سوار۔خوب سواری جاننے والا+ فلک= آسمان۔ چرخ+سر جھکانا= سر نیچا کرنا۔فرمانبردار ہونا+طوفان =آندھی۔سیلاب+ بلبلے= حباب۔بہت جلد فنا ہونے والا+ نیکی= اچھائی۔بھلائی+ بدی= برائی۔گناہ۔خرابی+عنوان= سرخی۔ شروع

تشریح:۔ اس بند میں محمد حسین آزاد فرماتے ہیں کہ باہمت لوگ ہی اس دنیا میں کامیاب رہتے ہیں۔ہمت کے گھوڑے پر جب وہ سوار ہو کر دُھول اُڑاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو بڑی بڑی مشکلیں سر جھکا لیتی ہیں۔ پیچھے ہت جاتی ہے اگر آسمان بھی ان کے سامنے آجائے تب بھی وہ آگے بڑھتے ہیں اقورا آسمان ان کے لئے جھک جاتے ہیں۔میرے دوستو جب تم باہمت بن کر دلیر ہو کر زندگی میں آگے بڑھو گے تو تمہارے سامنے مشکلیں یوں ہٹ جائیں گی۔جس طرح پانی کے بلبلے ایک ہی آن میں ختم ہو جاتے ہیں۔نیکی اور سچائی کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہوتی ہے۔ برائی ختم ہو جائے گی۔اے میرے دوستو کام کے لئے ہر دم تیار رہو۔ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنے سے کچھ نہ ہوگا۔جس طرح سے بھی ہو سکے آگے قدم بڑھاتے رہو کیونکہ چلنا ہی زندگی ہے اور آرام سے بیٹھنا انسان کے لئے حرام ہے۔

بند نمبر۳:۔ رکھو رفاہ قوم پہ اپنا مدار تم۔۔۔۔۔۔۔گلشن میں ہو کے بادِ بہاراں چلے چلو۔

تفہیم الفاظ:۔ رفاہ قوم=قوم کی بھلائی اور بہتری+ مدار= گردش کی جگہ۔انحصار+صلہ= انعام۔بدلہ+امیدوار=آرزومند=توقع رکھنے والا+عزت=آبرو۔شان+خوار= رسوا۔ذلیل۔سرگردان+رُخ=گال۔طرف+آب فخر= بزرگی کی چمک۔شرف یابی+رنگ بہار= بہار کی رونق۔

تشریح:۔ اس بند میں شاعر فرماتے ہیں کہ اے میرے دوستو اس دنیا میں وہی لوگ عظیم کام انجام دیتے ہیں جن کی نظریں انعام اور معاوضہ پر نہیں ہوتی بلکہ اپنے آپ سے زیادہ اپنی قوم کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔اپنے وطن اور قوم کے لئے بے غرض، بے مطلب ہو کر کام کرتے ہیں۔تم بھی اے ہی بنو۔اپنی قوم کو بدحالی سے نکالنے کے لئے کام کرو۔اور اس کام میں اپنے لئے کبھی انعام واکرام کی اُمید نہ رکھو۔ہمیشہ اپنے سامنے قوم کی ترقی اور بہودی کا خیال رکھو اے میرے دوستو تم اس طرح مایوس کیوں بیٹھے ہو۔خدائے برتر نے تمھیں عزت عطا کی ہے۔تو پھر تم اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا کیوں سمجھتے ہو۔گلستانوں میں بہاروں کے قافلے سجادو۔اور بہار کی ایسی ہوا بن کے دکھاؤ جو ہر وطن کے گلشن میں پھولوں اور خوشبوؤں کی خبر لاتی ہے۔

بند نمبر۴: آؤ سفید وسیاہ کا فعل حساب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم بھی ہو آفتاب درخشان چلے چلو۔

تفہیم الفاظ: سفید وسیاہ۔نفع ونقصاں۔اچھا بُرا+ فعل۔کام۔عمل+ حساب۔گنتی۔لین دین+ چہرہ= مُنہ۔مکھڑا۔صورت+ آب وتاب۔چمک دمک۔حُسن وخوبی+ ظلمت۔تاریکی۔اندھیرا+ نور۔روشنی۔درخشان۔روشن۔چمکدار+ شب۔رات۔رین۔تیغ بہ کف ۔ہاتھ میں تلوار+ آفتاب۔سورج۔

تشریح: اس بند میں آزاد فرماتے ہیں۔کہ اے میرے دوستو آؤ اس دنیام میں بھلائی اور برائی، سچ اور جُھوٹ کا حساب وکتاب چل رہا ہے اوعر اس حساب وکتاب میں اچھائی کا ہمیشہ بُول بالا ہے۔کہ جس طرح صبح آسمان کے چہرے کو چمکاتی ہوئی نمودار ہوتی ہے۔اے دوستو جس طرح نور ظلمت کی تاریکیوں پر فتح یاب ہو رہا ہے۔سچ جُھوٹ پر غالب آرہا ہے سورج روشنی کی تلوار کو ہاتھ میں لے کر رات کے اندھیرے پردے کا سینہ چیر رہا ہے میرے دوستو تم بھی سورج سے کم نہیں ہو چمکتے ہوئے سوراج کا راستہ کون روک سکتا ہے۔اسی چمکتے ہوئے سورج کی طرح آگے بڑھتے رہو تمھیں بھی کوئی روک نہیں سکتا بشرطیکہ اپنا فیض عام رکھو۔

بند نمبر۵: نیکی بدی کے دیر سے باہم تھے معرکے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کرنائے جنگ کی ہے یہ الحاں چلے چلو۔

تفہیم الفاظ: باہم۔مل جل کر۔ایک دوسرے کے ساتھ + خاتمہ۔انجام۔نتیجہ + معرکہ۔لڑائی۔جنگ+ نوشتے۔لکھی ہوئی تحریریں۔ تقدیریں+ قسمت۔نصیب+ طبل فتح۔فتح یابی کا ڈھول+ کرنائے۔سینگ کا بنا ہوا بگُل۔نرسنگا+ الحان۔لحن کی جمع۔آوازیں+ گونجا۔ شور اُٹھنا۔آواز کا گرجنا۔

تشریح: اس بند میں آزاد فرماتے ہیں کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے۔تب سے اچھائی اور برائی میں جنگ ہوتی چلی آرہی ہے اب ان جنگوں کا انجام سامنے آچکا ہے جس سے صاف طور پر ثابت ہو چکا ہے۔کہ جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے اور بدی ہار جاتی ہے۔حق ہمیشہ سربلند اور باطل سرنگوں رہا ہے۔شیرک مغلوبہ ونا پڑا اور خیر غالب رہا یہ حق وباطل کے معرکے اب ختم ہونے کو آئے ہیں یہ قسمت کی تحریریں نہ تھیں جو بدلی نہ جاسکتی تھیں۔سنو اے میرے دوستو سچائی کا اعلان زور وشور سے ہو رہا ہے فتح کے نقارے میدان عمل میں گونج رہے ہیں اور ان کی خوش کن سریلی آواز تم سے ہیں ہی کہہ رہی ہے۔کہ دوستو آگے بڑھو! زندگی کا سفر ہمت اور حوصلے کے ساتھ طے کرو۔

سوال نمبر ۱: اس نظم کا موضوع کیا ہے؟

جواب: محمد حسین آزاد کی اس جُوش دلانے والی نظم کا موضوع ''اولوالعزمی'' ہے۔انسان کو زندگی کا سفر بلند ہمتی' وفاداری' ایماندار یا ورعزت کے ساتھ طے کرنا چاہئے۔دنیا میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہئں جو باہمت بن کر زندگی کی مشکلوں کا سامنا کرتے ہیں انسان کو اُسی بات کا ثمرہ ملے گا۔جس بات کے لئے وہ کوشش کرے گا۔انسان کو محنت کے بغیر راحت نہیں ملے گی۔یہ دنیا عیش وآرام کی جگہ نہیں بلکہ زوردست اور ضربت کاری کا مقام ہے جو جدوجہد کریگا وہی عزت کی زندگی جئے گا۔

سوال نمبر۲: اس نظم کا کونسا شعر آپ کو زیادہ پسند ہے؟

جواب: اس نظم کا ہر شعر خوبصورت ہے۔کیونکہ یہ نظم ہمیں آگے بڑھنے' عزت سے جینے اور ہمت پیدا کرنے کا سبق دیتی ہے اور جوش'

ولوے کا احساس دیتی ہے۔تاہم مجھے یہ شعر زیادہ پسند ہے۔ رکھو رفاہِ قوم پہ اپنا مدار تم اور ہو کبھی صلے کے نہ اُمیدوار تم

سوال نمبر۳:اس نظم میں استعمال شدہ چند قافیہ چُن کر لکھئے۔

جواب:اس نظم میں حسب ذیل ہم وزن الفاظ یعنی قافیہ استعمال کئے گئے ہیں مثلاً۔میدان' افشان' بیابان' جان۔اُٹھائیں جائیں' دبائیں ۔حساب' فتحیاب' آفتاب۔

سوال نمبر۴:اس نظم کا خلاصہ بیاں کیجئے۔

جواب: یہ نظم محمد حسین آزاد نے لکھی ہے اس نظم کا عنواں ''اولوالعزمی'' ہے جس کا مطلب عالی ہمتی' بڑائی اور سر بلندی ہے۔آزاد نے اپنی اس نظم میں جوش' اُبھال' ولولہ کے جذبے کے احساس کو نہایت موثر طریقے سے اُبھارا ہے۔اور ہمیں ہمت اور دلیری کے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے کا جوش دلایا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ زندگی ایک مسلسل جدوجہد ہے۔زندگی کی جنگ لڑتے ہوئے ہمیں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن اگر ہم دلیری اور بہادری کے ساتھ آگے بڑھیں تو ہر مشکل پر فتح پا سکتے ہیں۔دنیا میں وہی لوگ عظیم کارنامے انجام دیتے ہیں جن کی نظریں انعام واکرام اور معاوضہ پر نہیں ہوتی۔بلکہ بے غرض ہو کر وطن اور قوم کے لئے کام کرتے ہیں۔ہمیں ہمیشہ قوم کی ترقی اور بہودی کا خیال ہونا چاہئے۔جو شخص بے غرض ہو کر اچھا کام کرتا ہے اور انعام یا معاوضے کا اُمیدوار نہیں رہتا وہی مکمل انسان ہوتا ہے۔ہمت سے انسان اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے قوم کی تقدیر بدل سکتا ہے۔بدی اور سچائی کی جنگ میں جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے اور بدی ہار جاتی ہے۔فتح کے نقارے میداں جنگ میں اعلان کر رہے ہیں۔کہ اے میرے دوستو آگے بڑھو۔زندگی کا سفر ہمت اور حوصلے کے ساتھ طے کرو۔

انشائیہ پر ایک مختصر نوٹ لکھئے:۔

انشائیہ ایک جدید صنف نثر ہے۔اس کا موجد فرانسسی مُصنف ''منتیں'' ہے اس کی تقلید میں انگریزی انشائیہ کا آغاز ہوا۔ اور اس کو انگریزی میں ESSAY کہتے ہیں۔اور اُردو میں انشائیہ نگاری انگریزی ادب سے درآمد کی گنتی ہے۔انشائیہ لفظ 'ESSI' سے مشتق ہے جو کہ فرانسسی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی 'EFFORT' یعنی ''کوشش'' کے ہیں۔انگریزی ''ESSAY'' فرانسی ''ESSI'' کی بدلی ہوئی شکل ہے۔انشائیہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں مصنف اپنے ذاتی تاثرات اور انفرادی تجربات بے تکلفی اور اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے۔اور اس پیش کشی میں اس کی شخصیت کافی نمایاں رہتی ہے۔اس طرح انشائیہ میں ایک قسم کا داخلی رنگ پایا جاتا ہے۔انشائیہ نگاری میں ایک نقطے کو دائروں میں پھیلا دیا جاتا ہے اور دائروں کو سمٹ کر نقطوں میں۔یوں بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:۔

ا:۔ موضوع پر مضبوط گرفت ہو اور موضوع سے بات ہٹنے نہ پائے۔ب:۔ لکھنے والے کی شخصیت کا عکس انشائیہ میں نظر آئے ۔ (ج)اختصار اور جامعیت ہو۔(د) نا تمام اور نامکمل ہونا انشائیہ کی سب سے بڑی خوبی ہے۔اُردو کے اولین انشائیہ نگاروں میں محمد حسین آزاد کا نام سرفہرست ہے۔آزاد کے بعد سرسید احمد خان نے اشائیہ نگاری کو بام عروج پر پہنچا دیا اور سرسید کے معقولات کی وجہ سے اس میں نئی نئی جہتیں پیدا ہو گئی اور ان کے بعد آنے والے ادیبوں نے ان کا خوب استعمال کیا جس میں رشید احمد صدیقی اور سعادت حسن منٹو کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔اردو میں انشائیہ نگاری آجکل اپنے عروج پر ہے۔اس نے بہت جلد ترقی کی اور اس کی ہر دل عزیزی کی وجہ سے یہ صنف اور ترقی کرتی دکھائی دیتی ہے۔

سرسید احمد خان

سرسید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔اُن کے بزرگوں کا وطن ہرات تھا جو شاہ جہاں کے زمانے میں ہندوستان آئے۔سرسید نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ علمی اور مذہبی تھا۔ان کے والد بڑے نیک اور پاکباز بزرگ تھے۔سرسید کی والدہ بھی نہایت خوش سلیقہ، پاکباز، روشن دماغ اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ اُنھوں نے سرسید احمد خان کی تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ والد کے انتقال کے بعد ملازمت کی تلاش میں لگ گئے۔ذہین اور محنتی آدمی تھے۔آگرہ کی کمشنری میں نائب منشی ہوئے اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے سب جج کے عہدے تک پہنچے۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کے منصف ہوئے اسی زمانے میں اپنی مشہور کتاب ''آثار الصنادید'' لکھی۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے لوگ پہلی مرتبہ انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔اسی پہلی جنگ آزادی کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا تھا۔ناکام ہونے کے بعد انگریزوں نے جس ظلم وستم اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔سرسید احمد خان کو ان سب حالات نے حد درجہ متاثر کیا۔اس نیک دل انسان نے ہندوستانی عوام کے مصائب اور انگریزوں کے بڑھتے ہوئے تسلطہ کے اسباب پر غور کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ تمام تر تباہی اور مصیبتوں کی وجہ ہندوستانی عوام کی ناخواندگی ہے۔ خصوصاً علوم جدیدہ یعنی انگریزی اور سائنس سے ناواقفیت اہل ہند کی پستی کے اسباب ہیں۔چنانچہ انہوں نے مشرقی علوم کے ساتھ مغربی تعلیم سے بھی ہندوستانیوں کو روشناس کرانے کا عزم کیا اور سب سے پہلے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا۔دوسرا اقدام سائنٹفیک سوسایٹی کا قیام تھا۔اسی سوسایٹی نے علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے ایک سہ روزہ اخبار نکالا پھر اپنی تعلیمی نظریات اور منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۱۸۷۵ء میں علی گڈھ میں ''محمڈن انیگلو اورینٹل کالج'' کی بنیاد رکھی جو ترقی کر کے ۱۹۲۰ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہوا۔علی گڈھ یونیورسٹی کی تعمیر نہ صرف ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔بلکہ قیامت تک کے لئے سرسید کی قومی خدمات کا مظہر ہے۔بدقسمتی سے ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو سرسید پر بیماری کا شدید حملہ ہوا اور ''فرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا یک'' حیف صد حیف کہ اس مُلک کا یہ عظیم معمار اور مصلح قوم ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڈھ میں فوت ہوئے اور کالج کے احاطے میں دفنائے گئے۔

سوال نمبرا:۔خوشامد کو بدتر چیز کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب:۔سرسید احمد خان نے خوشامد کو انسان کا بدتریں دشمن قرار دیا ہے۔خوشامد کی خواہش رکھنے والا اپنے آپ کا سب سے بڑا دشمن ہوتا

ہے۔ کیونکہ خوشامد اس کی تمام نیکیوں اور خوبیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ خوشامد دل کی بیماریوں میں سب سے تباہ کن بیماری ہوتی ہے۔ یہ انسان کے دل و دماغ کو بے کار بنا کے رکھ دیتی ہے۔ انسان جب اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے۔ اور اپنے آپ میں ایسی صفات کو دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ جو اُس میں نہیں ہوتی ہیں یا جن کے لائق وہ نہیں ہوتا ہے۔ خوشامد پسند انسان میں غرور اور گھمنڈ بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور پھے وہ دوسرے لوگوں کو اپنے آپ سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اسی لئے سرسید احمد خان نے خوشامد کو ایک بدتر چیز قرار دیا ہے۔

سوال نمبر۲۔ خوشامدی میں کیا کیا عیب ہوتے ہیں؟

جواب:۔ سرسید احمد خان نے خوشامدی کے بہت سارے عیب گنوائے ہیں۔ خوشامدی کے سبب انسان کے اندر غرور اور تکبر پیدا ہوتا ہے وہ اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے۔ اور ایسی باتیں سننے کا خواہاں ہوتا ہے۔ جس سے اُس کی جُھوٹی انا کو تسکین ملے۔ خوشامدی کا جذبہ انسان کے اندر جیسے جیسے قوی ہوتا ہے وہ ذہنی اور روحانی طور کمزور ہوتا جاتا ہے۔ وہ صحیح اور غلط کے درمیاں تمیز نہیں کر پاتا ہے۔ اور اس کے زوال اور تباہی کا سبب بنتا ہے۔ خوشامدی سے انسان میں چھچھورے پن کی لیاقت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دوسرے لوگوں کی صفات کو اپنانے کے بجائے اُن کی نقل کرتا ہے اس طرح اُس میں دکھاوا پیدا ہوتا ہے۔

سوال نمبر۳:۔ سرسید کے مضمون ''خوشامد'' کا خلاصہ لکھئے؟

جواب:۔ سرسید احمد خان کے انشائیوں میں خوشامد ایک اصلاحی انشائیہ ہے۔ اس انشائیہ میں سرسید خوشامد پسندی جیسے گھٹیا انسانی جذبے کی بُرائیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خوشامد پسندی کی بیماری ایک ایسی خطرناک بیماری ہے۔ جو اچھے بھلے انسان کے دل و دماغ کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس مرض کے لاحق ہوتے ہی انسان اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے میں ایسے اوصاف دیکھنے کا متمنی رہتا ہے۔ جن اوصاف کا وہ اہل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ایسی باتیں سننے کا خواہاں ہوتا ہے۔ جس سے اُس کا نفس موٹا ہو اور اس کی جھوٹی انا کو تسکین ملے۔ خوشامد پسندی کا جذبہ انسان کے اندر جیسے جیسے قوی ہوتا جاتا ہے وہ ذہنی اور روحانی طور کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اُس کی عقل اور دماغ کی قوت بے کار ہو جاتی ہے۔ اسی لئے خوشامد ایک بدتر چیز ہے۔ خوشامد کا شوق کمینہ اور نالائق سببوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے بہتر بات یہ ہے کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں اور سچ مچ وہ اوصاف خود اپنے میں پیدا کریں اور بعض جھوٹی نقل بننے کے خود ایک اچھی اصل ہو جائیں۔ غرور ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے خوشامد غرور کے مارے کو بڑھاتی ہے خوشامد لازمی طور پر ایک بُری چیز ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہے کہ جس طرح خوشامد ایک بُری چیز ہے اُسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس سے انسان میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

سوال نمبر۴:۔ درج ذیل اقتباس کو پڑھ کر نیچے دیئے گئے سوالات کے جواب دیجئے؟

''ناموری کی مشال نہایت عمدہ خوش بو کی ہے۔ جب ہوشیاری اور سچائی سے ہماری واجب تعریف ہوتی ہے۔ تو اس کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔ جیسے عمدہ خوشبو کا۔ مگر جب کسی کمزور دماغ میں زبردستی سے وہ خوشبو ٹھونس دی جاتی ہے تو ایک تیز بو کی طرح دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔

فیاض آدمی کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور عالی ہمت طبیعت کو مناسب عزت اور تعریف سے ایسی ہی تقویت ہوتی ہے۔ جیسے کہ غفلت اور حقارت سے پست ہمتی ہوتی ہے۔''

سوال ا:۔ فیاض آدمی کو کس چیز کا زیادہ خیال رہتا ہے؟

جواب:۔ فیاض آدمی کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال رہتا ہے۔

سوال ب:۔ عالی ہمت طبیعت کو کس چیز سے تقویت ملتی ہے؟

جواب:۔ عالی ہمت طبیعت کو مناسب عزت اور تعریف سے تقویت ملتی ہے۔

سوال ج:۔ پست ہمتی کا سبب کیا ہے؟

جواب:۔ پست ہمتی کا سبب غفلت اور حقارت ہے۔

سوال د:۔ اُوپر دیئے گئے اقتباس میں سے ان لفظوں کے ہم معنی تلاش کیجئے؟

الفاظ:۔ شہرت۔ سخی۔ طاقت۔ نیچے۔ موزون۔ لاپرواہی

ہم معنی:۔ ناموری۔ فیاض۔ تقویت۔ پست۔ مناسب۔ غفلت

سوال نمبر۵:۔ درج بالا اقتباس کا ماحصل اپنے الفاظ میں لکھئے:۔

جواب:۔ نیک نامی کی مثال ایک اچھی خوشبو کی طرح ہے کہ جب ہماری سچی تعریفیں ہوتی ہیں۔ تو اس کا اثر ایک اچھی خوشبو جیسا ہوتا ہے۔ مگر یہی خوشبو ایک کمزور دماغ انسان کے دماغ کو پریشان کرتی ہے۔ سخی انسان کو بدنامی اور نیک نامی کا زیادہ خیال ہوتا ہے اور اعلیٰ ہمت والے کو مناسب عزت اور سچی تعریف سے ایسی ہی طاقت مل جاتی ہے۔ جس طرح لاپرواہی اور نفرت سے انسان کم ہمت ہو جاتا ہے۔ یہ اثر ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو خود کو بلند درجہ والا تصور کرتے ہیں۔ جیسا کہ تھرمامیٹر کا اوپری حصہ جو صاف ہوتا ہے۔ اور وہی موسم کا زیادہ اثر بھی قبول کرتا ہے۔

سوال نمبر۶:۔ صحیح جواب چُن لیجئے:۔

ا:۔ خوشامد سے مراد ہے دوسروں سے اپنی جھوٹی تعریفیں سُن کر خوش ہونا۔ **ب:۔** خوشی **ج:۔** خوش آنے والی چیز

جواب:۔ ا:۔ دوسروں سے اپنی جھوٹی تعریفیں سُن کر خُوش ہونا۔

سوال نمبر۷:۔ انشائیہ کے لئے:۔

ا:۔ موضوعات مقرر ہوتے ہیں۔ **ب:۔** موضوع کی کوئی پابندی نہیں **ج:۔** طنز و مزاح کا عنصر لازمی ہے

جواب:۔ ب:۔ موضوع کی کوئی پابندی نہیں۔

سوال نمبر۸:۔ خوشامد ایک بُری یا اچھی یا فائدہ مند چیز ہے؟

جواب:۔ بُری چیز ہے۔

سوال نمبر ۹:۔ا:۔علی گڈھ کالج مولانا شبلی یا مولانا ابوالکلام آزاد یا سر سید احمد خان نے قائم کیا تھا۔

جواب:۔سر سید احمد خان نے۔

ب:۔سر سید نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں انتقال کیا۔

جواب:۔۱۸۹۸ء

سوال نمبر ۱۰:۔گرامر:۔ دہ مرکب جو جار اور مجرور سے مل کر بنے مرکب جاری کہلاتا ہے مثلاً بات سے + گھر تک + میرے ساتھ + ان مرکبات میں ''سے'' ''تک'' اور ساتھ حروف جار ہیں۔'بات' 'گھر' 'میرے' مجرور ہیں سوال ان مرکبات میں سے مرکب جاری تلاش کریں۔ کالا سانپ۔ دلی سے۔ سفید گھوڑا۔ اسلم کی ٹوپی۔ میز پر۔ ٹھنڈا پانی۔ کولکتہ تک۔ سرخ اونٹ۔ کتاب میں۔ آپ کے ساتھ۔ گلاب کا پھول۔ درخت پر۔ رشید کا بھائی۔

جواب:۔مرکب جاری یہ ہیں۔

ا:۔دلی سے ب:۔میز پر ج:۔کولکتہ تک د:۔کتاب میں ہ:۔آپ کے ساتھ و:۔درخت پر

﴿مرزا اسد اللہ خان غالبؔ﴾

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کے حالات زندگی پر ایک نوٹ لکھیے؟

ان کا نام اسد اللہ خان تھا۔ مرزا نوشہ لقب تھا۔ دبیر الملک خطاب تھا پہلے اسدؔ تخلص کرتے تھے بعد میں غالبؔ ہو گئے۔ آپ ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو شہر آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباواجداد ایبک قوم کے ترک تھے۔ مرزا کے داد شاہ عالم کے دور میں دلی آئے تھے۔ غالبؔ کے باپ عبداللہ بیگ خان آصف الدولہ کے زمانہ میں لکھنو آئے۔ اور لکھنو سے حیدر آباد گئے۔ آخر میں الور کے راجہ کی فوج میں ملازمت اختیار کی اور کسی لڑائی میں مارے گئے۔ مرزا اپنے چچا نصر اللہ بیگ خان کے پاس آگرہ میں پرورش پاتے رہے۔ ابتدائی عمر میں ہی انہوں نے فارسی زبان کو نہایت محبت اور شوق سے سیکھا۔ وہ اپنے زمانے کے فارسی کے بہت بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ خود اُنھیں اپنی فارسی دانی پر ناز تھا لیکن آج اُردو غزلوں کی وجہ سے انھیں شہرت حاصل ہے۔ ذوقؔ کی وفات کے بعد مرزا کو بہادر شاہ ظفرؔ کی استادی کا فخر حاصل ہوا۔ لیکن دو سال بعد دلی پر غدر کی مصیبت آ گئی اور اُسے مجبوراً رام پور جانا پڑا۔ وطن کی محبت نے وہاں بھی چین نہ دیا۔ اور دلی واپس آ گئے۔ اور آخری عمر تک دلی میں اپنی زندگی گذاری۔ آخری عمر میں قرض اور بڑھاپے نے بہت عاجز کیا کانوں سے سنائی نہ دیتا تھا آخر ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کیا۔

سوال: غالبؔ کے ادبی کارناموں پر ایک مختصر نوٹ لکھیے؟

جواب: غالبؔ اردو شاعری میں نئے طرز کے مُوجد خیال کئے جاتے ہیں۔ اگر چہ غالب کو اپنی فارسی شاعری پر ناز تھا لیکن کمال شہرت کو اردو شاعری کی بدولت پہنچے۔ اُردو میں ایک دیوان کے علاوہ نثر میں اُن کے رقعات اور خطوط کے دو مجموعے ''اردوئے معلّٰی'' اور ''عود ہندی'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کی شاعری انسانی دلوں کے اندر گھر کرتی ہے۔ تمام اصناف سخن میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے

غزل کو تخئیل کی بلندی اور فکر کی گہرائی عطا کی۔شوخی اور جدت،تشبیہ اور استعارہ سے مالا مال کیا۔فلسفہ اُن کے کلام کا بڑا جزو ہے۔انہوں نے روانی اور سلاست کے دریا بہا دیئے۔تصوف کی چاشنی سے ان کا کلام بھرپور ہے غالب نے اُردو خطوط نویسی کی جو طرز ایجاد کی اور اُس میں جو جدتیں پیدا کیں غالب سے پہلے کسی نے خط وکتابت میں یہ رنگ اختیار نہ کیا اور نہ اُن کے بعد کسی سے پوری تقلید ہوسکی۔غرض ادب کے ہر فن کو پروان چڑھانے میں ان کے فن کا ہی کمال ہے۔

سوال: مرزا غالبؔ کا اصلی نام کیا تھا۔وہ کب پیدا ہوئے اور کب وہ وفات پا گئے؟

جواب: مرزا غالبؔ کا اصلی نام اسداللہ خان ہے وہ ۲۷ فروری ۱۷۹۷ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو پیر کے دن ظہر کے وقت دلی میں وفات پائی۔

﴿غزل نمبر ۱ کی تشریح﴾

غزل نمبر ۱۔شعر نمبر ۱: ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: ابن۔بیٹا+ابن مریم۔حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ+دوا کرنا۔علاج کرنا

تشریح: یہ ایک تلمیح شعر ہے کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کو حضرت مسیحا بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر مرض کا دوا کرتے تھے اسی لئے غالب فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بھی میرے درد کا علاج نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ عشق کی بیماری کا علاج ان کے پاس بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ کوئی اور ہے جو میرے دکھ درد کو مجھ سے دور کرسکتا ہے اور وہ صرف میرا محبوب ہے

شعر نمبر ۲: بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: بک رہا ہوں۔بے کار کی باتیں کہے جانا۔بکواس کرنا+جنوں۔دیوانگی۔عشق۔خبط

تشریح: غالبؔ فرماتے ہیں کہ عشق کی دیوانگی میں جب میں ہوتا ہوں تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کیا کہتا رہتا ہوں لہذا اب خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ میری باتیں کسی کو سمجھ میں نہ آیں اور میرا راز عشق فاش نہ ہو جائے۔''کچھ نہ سمجھے'' کا یہ ایک مطلب ہوسکتا ہے اور اس دوسرا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے وہ میری بات سمجھ جائے اور میرے حال زار پر نگاہ کرم فرمائیں۔

شعر نمبر ۳: نہ سنو گر بُرا کہے کوئی نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: نہ۔حروف نفی۔نہیں۔مت+گر۔اگر کا مخف۔حرف شرط+کوئی۔نامعلوم شخص

تشریح: غالبؔ نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں کوئی بُرا بھلا کہے تو اس کی بات کو سُن کر خاموش ہو جاؤ یعنی اس کی بات کو ان سنی کردو۔اسی طرح اگر کوئی تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرے تو اس کا ذکر بھی کسی سے نہ کرو یعنی ہر حال میں صبر سے کام لو۔

شعر نمبر ۴: روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: غلط۔نادرست۔غیر صحیح+خطا۔قصور۔گناہ۔غلطی+بخش دینا۔معاف کردینا۔

تشریح: غالبؔ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غلط راہ اختیار کرے تو اُسے اُس فعل سے باز رکھنا چاہیئے اور اگر کوئی شخص قصور یا گناہ کرے تو

اُس شخص کو معاف کرنا چاہیئے۔

شعر نمبر۵: کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کس کی حاجت روا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: حاجت مند۔ضرورت مند + حاجت۔ضرورت۔مراد + روا کرنا۔پورا کرنا۔کام کا درست کرنا۔

تشریح: اس شعر کے دو مطلب ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر ایک شخص حاجت مند ہے لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس کی حاجت کو پورا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا ہے جس کی کوئی نہ کوئی حاجت ہو۔ لہذا اگر کوئی تمہاری حاجت پورا نہ کرے تو اُس کی شکایت نہ کرو کیونکہ ہر ایک کی اپنی اپنی مجبوریاں ہیں۔

شعر نمبر۶: کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کسے رہنما کرے کوئی

تفہیم الفاظ: خضر۔ایک مشہور پیغمبر کا نام + سکندر۔ایک بادشا کا نام + رہنما۔رہبر۔راستہ بتانے والا۔

تشریح: اس شعر میں بھی تلمیح ہے اُس داستان کی طرف ہے کہ سکندر ذولقرنین حضرت خضر کی راہنمائی میں چشمہ آب حیات پر گیا تھا۔ مگر وہاں جا کر دیکھا کہ جن لوگوں نے یہ پانی پی لیا تھا۔ وہ اگر چہ زندہ تھے۔ مگر طویل عمر کی وجہ سے اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھکر سکندر بغیر پانی پیئے وہاں سے واپس چلا آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شے تقدیر میں نہ ہو۔ تو حضرت خضر کی رہنمائی بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

شعر نمبر۷: جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

تفہیم الفاظ: توقع۔اُمید۔بھروسہ۔آسرا + اُٹھ جانا۔مر جانا۔ختم ہو جانا + گلا۔شکوہ۔شکایت۔

تشریح: غالبؔ فرماتے ہیں کہ گلہ تو توقع پر مبنی ہے۔ یعنی جب کسی سے کوئی توقع ہی نہیں رہی تو پھر کس بھروسے پر گلہ کریں۔ گلہ تو وہاں کیا جاتا ہے جہاں کوئی اپنا اور بات بننے کی اُمید ہو۔

نوٹ:۔اس غزل کے آخری دونوں شعر اپنی معنوی خوبیوں کی بناء پر اُردو ادب میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔

﴿غزل نمبر۲﴾

شعر نمبر۱: کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: اُمید۔آس۔آرزو + بر آنا۔کامیاب ہونا۔حاصل ہونا + صورت۔تدبیر۔موقع۔

تشریح: غالبؔ نے کہا ہے کہ عاشقوں کی زندگی ہمیشہ ناکام زندگی ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ نہ تو عشق کرنے والوں کی کوئی آرزو پوری ہوتی ہے اور نہ کوئی تمنا اور اُمید پوری ہونے کی کوئی صورت نظر آتی ہے یعنی عشق میں صرف ناکامی ہی ناکامی ہے اس ناکامی میں اُمید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی ہے اور کوئی ایسا انسان نظر نہیں آتا ہے جس سے مل کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔

شعر نمبر۲: موت کا ایک دن معین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: موت۔قضا۔مرگ۔اجل + معین۔مقرر کیا ہوا۔مقررہ + نیند۔خواب۔آرام

تشریح: اس شعر میں غالب فرماتے ہیں کہ موت تو اس لئے نہیں آتی کہ وہ وقت سے پہلے آ نہیں سکتی کیونکہ موت کا وقت مقرر اور معین ہے۔ لیکن نیند کا تو موت کی طرح کوئی وقت مقرر اور معین نہیں ہے تو پھر وہ کیوں نہیں آتی ہے وہ مجھ سے کیوں دُور بھاگتی ہے۔

شعر نمبر ۳: آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: آگے۔اس سے پہلے۔پیشتر + حال دل۔دل کی کیفیت۔اسلوب دل + ہنسی۔خندہ۔قہقہہ۔

تشریح: حُسن ادا، جذبہ اور تخیل کے اعتبار سے غالب نے بے مثل شعر کہا ہے۔ بقول طباطبائی یہ وہ شعر ہے جس پر میرؔ کو بھی رشک کرنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ پہلے تک میں اپنے حال زار پر ہنس لیا کرتا تھا۔یعنی متاسف ہو جایا کرتا تھا۔لیکن اب میری افسردگی، مایوسی اور شکستگی خاطر کا یہ عالم ہے کہ اپنے حال زار پر ہنسی کیا معنی رکھتی ہے۔ دنیا کی کسی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی ہے یعنی بنیادی تصور دل کی افسردگی کا اظہار ہے۔

شعر نمبر ۴: ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: بات۔بیان۔معاملہ۔گفتگو + چپ۔خاموش۔سکوت۔+ ورنہ۔نہیں تو۔پھر۔

تشریح: غالبؔ نے اس شعر میں قصداً ابہام رکھا ہے۔اور اس میں شعر کا لطف مضمر ہے اپنی متانت اور سنجیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس خیال سے خاموش ہوں کہ اگر شکایتوں کا طومار کُھل گیا تو تم شرمندہ ہو جاؤ گے بلکہ کہیں تمہاری بدنامی اور رسوائی نہ ہو یہی خیال مدنظر رکھکر چپ ہوں ورنہ میرے مُنہ میں بھی زبان ہے۔

شعر نمبر ۵: مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: مرتے ہیں۔تباہ ہونا۔برباد ہونا + آرزو، تمنا، خواہش + پر۔حرف ربط۔لیکن۔

تشریح: اس شعر میں غالبؔ نے لفظی خوبی پیدا کی ہے کہ ''مرنے'' اور ''موت'' کو مجازی اور حقیقی دونوں معنوں میں استعمال کیا ہے۔وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں موت کی بے حد آرزو ہے اور اس شدت آرزو سے ہم پر اکثر آوقات وہی اذیت طاری ہو جاتی ہے۔ جو بوقت مرگ طاری ہوتی ہے۔اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر چہ موت آتی ہے مگر مر نہیں چکتے۔

شعر نمبر ۶: کعبہ کس مُنہ سے جاؤ گے غالبؔ شرم تم کو مگر نہیں آتی

تفہیم الفاظ: کعبہ۔قبلہ جو مکہ میں ہے۔اللہ کا گھر + شرم آنا۔شرمندہ ہونا۔نادم ہونا۔

تشریح: اس شعر میں شاعر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے غالبؔ تمہاری ساری عمر تو شراب نوشی اور شاہد پرستی میں گزر گئی یعنی تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی نیک عمل نہیں ہے اب کیا منہ لیکر کعبہ جاو گے شاید تم شرم وحیا سے عاری ہو چکے ہو (مگر بہ معنی شاید)

توضیحات نمبر ۱: غالبؔ نے پہلے غزل میں دو بار صنعت تلمیح استعمال کی ہے پہلے شعر میں ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ اور چھٹے شعر میں حضرت خضر اور سکندر کی طرف اشارہ ہے۔

سوال نمبر (۱) صنعت تلمیح سے کیا مراد ہے؟

جواب: صنعت تلمیح (ALLUSION) کلام میں کسی آیہ قرآنی یا حدیث نبوی، مشہور تاریخی واقعہ یا علمی اصطلاح کو کلام میں لانا تلمیح کہلاتا ہے یعنی شاعر اپنی شاعری میں کسی مشہور واقعہ یا کسی مذہبی روایت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس کو صنعت تلمیح کہتے ہیں تلمیح کے الفاظ بظاہر مختصر ہوتے یں۔لیکن اس کے پیچھے وہ پورا قصہ ہوتا ہے۔جس کی طرف شاعر اشارہ کرنا چاہتا ہے۔اس پورے قصہ کو جانے بغیر نہ تو شعر کا مطلب بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی شعر کے اندر لائی گئی صنعت تلمیح کا پورا لطف اُٹھایا جاسکتا ہے۔

تلمیحات جو غزل نمبر ا میں ہیں۔

ا:۔ابن مریم:۔ابن مریم یعنی حضرت مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر تھے آپ پر ''انجیل'' جو مقدس کتاب ہے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ان کو عیسائی خدا کا بیٹا مانتے ہیں کیونکہ خدا کی قدرت سے بغیر باپ کے آپ بی بی مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے ہی بہت نیک اور خداترس انسان تھے بڑے ہوکر آپ نے لوگوں کو حق کا پیغام سنانا شروع کیا۔یہودی لوگ ان کے بہت مخالف تھے۔طرح طرح سے آپ کو حق بات کہنے سے روکتے اور اذیتیں پہنچاتے۔خداوند تعالیٰ نے آپ کو دو معجزات عطا فرمائے تھے۔اول یہ کہ آپ کوڑھی لنگڑے یا کسی طرح کے مریض پر پھونک مار دیتے تھے تو اس کو حکم خداوندی سے شفا ہو جاتی اور وہ تندرست ہو جاتا ۔اس کے علاوہ آپ خدا کے حکم سے مردے کو زندہ بھی کر دیتے تھے۔اسی لئے حضرت عیسیٰ کو ''مسیحا'' کہا جاتا ہے۔عیسائیوں کے خیال کے مطابق ان کی تعلیمات کی مخالفت کرنے والے بادشاہ نے ان کو صلیب پر چڑھا دیا جب کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اُنہیں خداوند تعالیٰ نے آسمان پر زندہ اٹھالیا اور ان کی جگہ دوسرا آدمی عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

۲:سکندر ذوالقرنین:۔یہ ایک زبردست اور قدیم بادشاہ کا لقب ہے۔لوگوں کا خیال ہے کہ شاید سکندر اعظم کا لقب ہوگا مگر اس میں اختلاف ہے۔ذوالقرنین اس کا لقب اس لئے تھا کہ وہ دو گیسو رکھتا تھا۔اور قرن گیسو کو کہتے ہیں اور دو گیسو کو ذوالقرنین دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ دنیا کے دونوں سمتوں یعنی مشرق سے مغرب تک دونوں طرف گیا اس لئے یہ نام پڑا۔یا یہ کہ اُس نے نور وظلمات کی سیری تھی۔یہ سکندر اعظم سے بہت پہلے سام بن نوح کی نسل سے تھا۔حضرت خضرؑ اس کے مشیر اور راہنما تھے۔اسی کی راہنمائی میں آب حیات پینے کے لئے ظلمات میں داخل ہوئے لیکن بغیر پیئے واپس آیا۔اس نے ہی یاجوج ماجوج کی تباہکاریوں سے بچنے کے لئے لوہے کی دیوار بنوائی جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

۳:حضرت خضرؑ :حضرت خضرؑ ایک پیغمبر ہیں۔خداوند تعالیٰ نے ان کے ذمہ بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے کا کام سپرد کیا ہے۔آپ قیامت تک زندہ رہیں گے۔آپ ''سبز پوش'' بھی کہلاتے ہیں کیونکہ یہ ہمیشہ ہرے لباس میں رہتے ہیں۔کہا جاتا ہے اُن کی سکندر بادشاہ سے ملاقات ہوئی تھی اور رہنما بن کر سکندر کو چشمہ آب حیات پر لے گئے تھے مگر سکندر محروم رہے

۴:آب حیات:۔آب حیات کو چشمہ ''حیوان'' بھی کہتے ہیں۔دنیا کے کسی نامعلوم علاقہ میں یہ پانی کا وہ چشمہ ہے جس کو پی لینے کے بعد انسان قیامت تک زندہ رہ سکتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین کو حضرت خضرؑ کی رہنمائی میں اس چشمہ تک رسائی ہوگئی تھی مگر پانی پینے سے پہلے حضرت خضرؑ نے سکندر کو چشمہ کے آس پاس کے کچھ منظر دکھائے۔جب اس نے اس چشمہ کے اطراف میں مختلف جانداروں کو